سیرت نمبر

مسلسل اشاعت کا 29واں سال

تنظیم اسلامی کا ترجمان

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

35

www.tanzeem.org

2 تا 8 ربیع الاوّل 1442ھ/20 تا 26 اکتوبر 2020ء

وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ

''اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا!''

کلمۂ توحید میں، اذان میں، نماز میں، غرض ہر جگہ آپ ﷺ کا نام اللہ کے نام کے ساتھ آتا ہے، اس سے بڑی بلندیٔ ذکر اور کیا ہوسکتی ہے۔ زمین میں ہر جگہ، سمندروں میں، فضاؤں میں، ہر گھڑی، ہر وقت آپؐ کا ذکر ہوتا ہے، درود پڑھا جاتا ہے، حدیث پڑھی جاتی ہے، جس کی ہر روایت میں دو دو تین تین بار آپؐ کا نام مبارک اور درود پڑھا جاتا ہے۔ جب تک اس کلمے کا اعتراف نہ ہو کوئی مومن نہیں ہوسکتا: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس سے زیادہ بلندیٔ ذکر، رفعتِ نام اور رفعتِ مقام اور کیا ہوسکتا ہے کہ بحر و بر ہر گھڑی، ہر آن اس آواز سے گونج رہے ہیں، یہ مقام مخلوقات میں صرف محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے۔ لوحِ محفوظ میں بھی آپؐ کا ذکر بلند ہے، نسلیں گزر جائیں گی، ہزاروں لاکھوں سال گزر جائیں گے اور کروڑوں اربوں کھربوں انسان اس نام مبارک کو لے رہے ہوں گے، گھر گھر میں، گلی کوچے میں، مسجد و مدرسہ میں، غرض بحر و بر میں اور فضاؤں میں یہی ورد ہوگا کہ:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ٥ اللّٰھم صلی وسلم وبارك علیه

مختصراً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کائناتِ ارضی وسماوی میں آپؐ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔

سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ

اس شمارے میں

وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ

اسوۂ رسول ﷺ اور ہم

اطاعتِ رسول ﷺ: ایمان کی علامت

اطاعت رسول ﷺ کی اہمیت

ربیع الاوّل کیسے منائیں؟

محمد رسول اللہ ﷺ کی جامع کمالات ہستی

میدانِ حشر میں فریاد نہیں سنی جائے گی

سُورۃُ المُؤمِنُون | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیات: 107 تا 111

رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخۡسَـُٔوۡا فِیۡهَا وَ لَا تُكَلِّمُوۡنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡ عِبَادِیۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَ ارۡحَمۡنَا وَ اَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذۡتُمُوۡهُمۡ سِخۡرِیًّا حَتّٰۤی اَنۡسَوۡكُمۡ ذِكۡرِیۡ وَ كُنۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ تَضۡحَكُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّیۡ جَزَیۡتُهُمُ الۡیَوۡمَ بِمَا صَبَرُوۡۤا ۙ اَنَّهُمۡ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾

آیت: ۱۰۷ ﴿رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ ’’اے ہمارے پروردگار! (ایک بار) ہمیں یہاں سے نکال دے، اگر ہم دوبارہ یہی کریں تو پھر ہم واقعی ظالم ہوں گے۔‘‘

آیت: ۱۰۸ ﴿قَالَ اخۡسَـُٔوۡا فِیۡهَا وَ لَا تُكَلِّمُوۡنِ ﴿۱۰۸﴾﴾ ’’اللہ فرمائے گا: اب تم ذلیل وخوار ہو کر اسی میں پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو!‘‘

آیت: ۱۰۹ ﴿اِنَّهٗ كَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡ عِبَادِیۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَ ارۡحَمۡنَا وَ اَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۱۰۹﴾﴾ ’’یقیناً میرے بندوں میں کچھ وہ لوگ بھی تھے جو کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، بس تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، اور تو تمام رحم کرنے والوں سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔‘‘

آیت: ۱۱۰ ﴿فَاتَّخَذۡتُمُوۡهُمۡ سِخۡرِیًّا﴾ ’’تو تم نے ان کا مذاق اڑایا تھا‘‘

میرے وہ بندے جب مجھ سے گڑگڑا کر دعا کرتے تھے تو تم ان پر ہنسا کرتے تھے۔

﴿حَتّٰۤی اَنۡسَوۡكُمۡ ذِكۡرِیۡ﴾ ’’یہاں تک کہ ان لوگوں (کا تمسخر اڑانے کی مصروفیت) نے تمہیں میرا ذکر بھلا دیا‘‘

﴿وَ كُنۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ تَضۡحَكُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾﴾ ’’اور تم ان پر ہنستے ہی رہتے۔‘‘

تم لوگ میرے بندوں کی تضحیک کرنے اور ان کا مذاق اڑانے میں ایسے مگن رہے کہ میں تمہیں بالکل ہی یاد نہ رہا۔

آیت: ۱۱۱ ﴿اِنِّیۡ جَزَیۡتُهُمُ الۡیَوۡمَ بِمَا صَبَرُوۡۤا ۙ اَنَّهُمۡ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾﴾ ’’آج میں نے ان کو بدلہ دیا ہے ان کے صبر کے طفیل، کہ آج یقیناً وہی کامیاب ہیں۔‘‘

فرمان نبویؐ

کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا؟

عَنۡ اَبِیۡ مُحَمَّدٍ عَبۡدِ اللّٰہِ بۡنِ عَمۡرِو بۡنِ الۡعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ: ((لَا یُؤۡمِنُ اَحَدُكُمۡ حَتّٰی یَكُوۡنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئۡتُ بِهٖ)) (شرح السنۃ)

سیدنا ابو محمد عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک حقیقی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی دلی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت اور دین کے تابع نہ ہوں‘‘۔

تشریح: حدیث زیر درس کا حاصل ہے کہ بندۂ مومن نفس کی پیروی نہ کرے، بلکہ اُس چیز کی پیروی کرے، جو نبی اکرمؐ لے کر آئے۔ اگر رسول ﷺ کی اطاعت ہے، تو ایمان ہے، اور اگر آپؐ کی اطاعت سے انحراف ہو رہا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ ایمان موجود نہیں ہے۔ نبی ﷺ کی اطاعت کا مظہر آپؐ کی سنت کی تعمیل ہے۔ اسی لیے آپؐ نے فرمایا کہ کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اُس چیز کی پیروی نہ کر لے جو میں لایا ہوں۔ یعنی قرآن وحدیث۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

ایک محبت جو دل میں رچی بسی ہو، ایک نظریہ جو دماغ میں راسخ ہو چکا ہو، ظاہری طور پر اُسے بذریعہ قلم سپردِ قرطاس کرنا کتنا آسان ہونا چاہیے، لیکن پھر کیوں مشکل ہو جاتا ہے محبوب ربانی ؐ کی شان بیان کرنا۔ شاید اس لیے کہ سمندروں ڈونگے (سمندر سے گہرے) دل میں اُٹھنے والے طوفان پر قابو رکھنا ممکن نہیں رہتا اور شاید اس لیے کہ دماغ میں یوں بجلیاں کوندنے لگتی ہیں کہ قلم کا ربط اور ترتیب اختیار کرنے میں دشواری محسوس کرنے لگتا ہے۔ کیا لکھوں کیا چھوڑوں، کسے نقطہ آغاز بناؤں، کسے اختتام کہوں۔ عدل کے گُن گاؤں یا حکمت کی مدح سرائی کروں۔ شجاعت کی داد دوں کہ بندگی کی معراج بیان کروں...... حقیقت یہ ہے کہ وہ شجر ابھی زمین کی کوکھ سے جنم ہی نہیں لے سکا جس کی شاخ سے وہ قلم تراشا جا سکے جو سیرتِ مطہرہ کی صفات و کمالات تحریر کرنے کا حق ادا کر سکے۔ ایک شاعر شکوہ کے انداز میں خالقِ کائنات کے حضور عرض گزار ہے کہ ایسی بے مثل ہستی اگر ہماری رہنمائی کے لیے اس دنیا کی قسمت میں تھی تو پھر ہمیں بھی ایسی زبان مل جاتی کہ رحمۃ للعالمینؐ کی ثنا خوانی کا سلیقہ پا لیتے۔ قارئین، یقین جانیں ہم شاعری نہیں کر رہے، اپنی بے بسی کا اظہار کر رہے ہیں اور ہماری یہ بے بسی بالکل قابل فہم ہے جب اسد اللہ غالب جیسا زبان دان اور قادر الکلام شخص یوں گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

طائف میں سرداروں کے اشارے پر اوباش چھوکرے اتنی سنگ باری کرتے ہیں کہ خون آلود جوتیوں سے پاؤں الگ کرنے مشکل ہو جاتے ہیں، لیکن ایسے میں بھی فرشتے کی اس استدعا کو رد کر دینا کہ اس بستی کو پہاڑوں کے درمیان مسل کر تباہ کر دیا جائے، اس لیے کہ شاید یہاں دین کا کوئی خادم پیدا ہو جائے، کوڑا کرکٹ پھینکنے والی بڑھیا کی مزاج پُرسی کے لیے تشریف لے جانا کہ آج وہ اپنا عمل کیوں نہ دہرا سکی، فتح مکہ کے موقع پر عاجزی سے سر کو اتنا جھکا لینا کہ وہ اونٹ کے کجاوے کو چھونا چاہے، فاتح مکہ کی حیثیت سے پہلا کام یہ کرنا کہ اپنے خون کے پیاسوں اور جان کے دشمنوں کی عام معافی کا اعلان کر دینا آپ ؐ ہی کی بلند مرتبت ہستی کی شان ہے۔ آدم و حوا کی اولاد میں آپ ﷺ واحد ہستی ہیں جن کے اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، دیکھنے سننے، رہنے سہنے اور پہننے اُتارنے کا انداز تاریخ نے محفوظ کیا۔ درحقیقت یہ ہے وہ انسانیت، یہ ہے وہ بشریت جس کے سامنے فرشتوں کے پاس سجدہ کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ اگرچہ یہ سجدہ اللہ رب العزت کے حکم سے ہوا، یہ اُسی کے بس کی بات ہے کہ وہی العلیم، الحکیم اور العزیز ہے۔ اللہ رب العزت خود حضور ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝﴾ کہہ کر ربِ کریم خود حضور ﷺ پر اُن کی شان واضح کرتا ہے۔ گویا سیرت النبی ﷺ کی کوئی ضخیم کتاب بھی آپ ؐ کی صفات و کمالات کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں ایک قطرہ پانی سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
2 تا 8 ربیع الاوّل 1442ھ — جلد 29
20 تا 26 اکتوبر 2020ء — شمارہ 35
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
"دارالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 79-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org
قیمت فی شمارہ 15 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 600 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

یہاں تھوڑی دیر کے لیے رک کر انتہائی سنجیدگی سے غور فرمائیں کہ آپؐ کو یہ اعزاز، یہ احترام یہ عزت کیوں حاصل تھی؟ اس لیے کہ آپؐ انبیاء اور رُسل کی اُس سنہری زنجیر کی آخری کڑی تھے جنہیں انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ اپنے نمائندے بنا کر دنیا میں بھیجتا رہا۔ آپؐ صرف آخری نبی اور رسول نہ تھے، بلکہ اللہ رب العزت نے آپؐ پر اپنے پسندیدہ دین اسلام کی تکمیل بھی کر دی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء و رُسل اسی دین کے تکمیلی مراحل کو کسی نہ کسی انداز میں آگے بڑھاتے رہے۔ اگرچہ انہیں شریعت یا لائحہ عمل مختلف دیئے گئے لیکن دین سب کا ایک تھا، مشن سب کا ایک تھا یعنی انسانوں پر انفرادی اور اجتماعی سطح پر اللہ کے اُس دین کو بالفعل نافذ کیا جائے۔

حضور ﷺ سے پہلے یہ کام بہت سی وجوہات کی بناء پر انجام تک پہنچایا نہ جا سکا، حالانکہ مختلف قوموں کو انبیاء و رُسل نے لاجواب کر دینے والے معجزے دکھائے۔ آپؐ کا کمال یہ تھا اور یہ کمال لاجواب اور بے مثل تھا کہ آپؐ کے پاس نہ عصائے موسیٰؑ تھا کہ کسی دریا کے سینے کو چیر دیتے، یا وہ اژدھا بن کر وقت کے سانپوں کو نگل لیتا۔ نہ آپؐ پر اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آسمان سے خوان اُترا، نہ آپؐ نے قریش کو قائل کرنے کے لیے مردے زندہ کر کے دکھائے، نہ آپؐ کے لیے آگ کو گلستان میں تبدیل کیا گیا، بلکہ جب آپؐ پر سنگ باری ہوئی تو جسم اطہر لہولہان ہوا، جنگ میں دندان مبارک شہید ہوئے، یہاں تک کہ جادو کا اثر بھی ہوا۔ لیکن آپؐ نے اللہ کے دین کی دعوت کا کام دن رات جاری رکھا اور خالصتاً انسانی سطح کی کوشش سے دینِ حق کو جزیرہ نمائے عرب میں غالب اور نافذ کرنے کا محیر العقل کارنامہ سرانجام دیا۔ یعنی جس دین کی دعوت دی، جس کی تبلیغ کی اُسے ایک حقیقت کا روپ دے کر دنیا کو دکھا بھی دیا۔ یہ ہے وہ سنت جسے دانتوں سے پکڑنے کی ضرورت ہے۔

یہاں آگے بڑھنے سے پہلے ایک بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کیا اللہ کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ اپنے محبوب کے پاؤں میں کانٹا بھی نہ چبھنے دیتا اور دینِ حق کُل عالم میں نافذ ہو جاتا۔ اس کے ''کُن'' کہنے سے پہاڑ زمین دوز ہو جائیں، سمندر خشک ہو جائیں، دریا رُک جائیں وہ اپنے محبوب کو ہیرے جواہرات سے مرقع و مرصع تخت پر بٹھا کر انسان کیا، چرند و پرند کو اُس کے حضور حاضر کروا دیتا۔ یہ سب کچھ آسانی سے ممکن تھا۔ انبیاء اور رُسل کی جماعت میں حضور ﷺ کو یہ منفرد اعزاز بھی حاصل تھا کہ آپؐ کی نبوت و رسالت صرف مقامی نہیں بلکہ آفاقی تھی اور آپؐ کو جو معجزہ قرآن پاک کی صورت میں عطا کیا گیا دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی طرح اُس پر زمانے کی قید نہیں تھی، یعنی وہ تا ابد قائم رہے گا اور اُس کے متن کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا کہ اُس میں کمی بیشی یا کتر بیونت ممکن نہیں۔ اسی دعوت کی آفاقیت کا تقاضا تھا کہ آغاز میں جو ماڈل دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا، اُس میں بھی خالصتاً انسانی کوششوں کو دخل ہوتا، تاکہ باقی دنیا میں اسے نافذ کرنے کے حوالہ سے بعد میں آنے والے انسانوں کے پاس یہ عذر نہ رہے کہ آغاز میں تو اسے معجزاتی طور پر نافذ کیا گیا تھا، اب اسے کیسے نافذ کیا جائے۔ ہاں میدان بدر میں یقیناً فرشتے اترے تھے، اور تاریخ میں اللہ کے سپاہیوں کی غیبی مدد کی گواہی بھی ملتی ہے، لیکن یہ سہولت تو آج بھی موجود ہے۔ ہماری ذمہ داری یہ ہے اور کرنے کا کام یہ ہے کہ فضائے بدر پیدا کی جائے۔ فرشتے آج بھی قطار اندر قطار اُتریں گے، یہ محض شاعری نہیں ہے، نہ کوئی سنی سنائی کہانی ہے بلکہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقت ہے۔ کیا ہمارے پڑوس افغانستان میں طالبان نے بے سروسامانی کے عالم میں دنیا کی متحدہ عالمی قوت نیٹو کو ناکوں چنے نہیں چبوا دیئے۔ افغان طالبان کی فوجی قوت، اسلحہ اور مالی وسائل امریکہ اور اُس کے حواریوں کی نسبت نہ ہونے کے برابر تھے، لیکن افغان طالبان اپنی ایمانی قوت کے بل بوتے اور اللہ کی مدد سے امریکہ کو شکست دے چکے ہیں۔ امریکہ اور اُس کے حواری اب افغانستان سے اس طرح بھاگ رہے ہیں کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کو تیار نہیں۔ جبکہ پاکستان کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ ہمارے پاس منظم فوج ہے۔ ہم دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت ہیں لیکن ایمان کی دولت سے محروم ہونے کی وجہ سے ہم پر بھوک اور خوف مسلط ہو چکا ہے۔ ہم FATF کی ناجائز شرائط ماننے کے لیے قانون سازی کر رہے ہیں جو کہ شرمناک فعل ہے۔

آخرت میں سرخرو ہونے کے لیے اور دنیا میں عزت و وقار کا مقام حاصل کرنے کے لیے ہمیں سیرتِ نبویؐ سے روشنی حاصل کرنی ہوگی اور صحابہؓ کے کردار کا جائزہ لینا ہوگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے یوم پیدائش پر جشن تو نہیں مناتے تھے' لیکن جہاں حضور ﷺ کا پسینہ گرتا تھا وہاں صحابہؓ کا خون گرتا تھا۔ آپؐ کے اشارۂ ابرو پر جان کی بازی لگانے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مکہ کی بے آب و گیاہ زمین کے یہ مکین قیصر و کسریٰ پر حاوی ہو گئے۔ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار پکڑ کر وہ بحر و بر کو روندتے چلے گئے۔ صحرا' جنگل اور پہاڑ کوئی ان کے راستے میں حائل نہ ہو سکا' حالانکہ ہماری طرح اُن کے بھی دو ہاتھ دو پاؤں تھے' لیکن اُن کے قلوب قرآن کی دولت سے مزین تھے' اُن کے سامنے نبی مکرم ﷺ کی سیرت تھی اور سنتِ رسولؐ اُن کا ہتھیار تھا۔

آج بھی ہمارے مسائل کا واحد حل یہ ہے کہ ہم اپنے قول و فعل کا تضاد دور کریں۔ ہماری زبانیں اگر حضور ﷺ کی نعت گوئی سے تر ہوں تو ہمارے افعال ارشادِ نبویؐ کے مطابق ہوں۔ ہم سنتِ رسولؐ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیں اور صرف ماہ ربیع الاوّل ہی نہیں ہر دن ہر شب کی نسبت حضور ﷺ سے جوڑ دیں۔ کسی صورت اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو اور کبھی سنتِ رسولؐ کا دامن ہمارے ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ ہماری زندگیاں اس بات کی گواہ ہوں کہ ؏ بعد از خدا بزرگ تُوئی قصہ مختصر!!

وہ حضور ﷺ کی عقیدت میں نعت کا نذرانہ ضرور پیش کریں لیکن حضور ﷺ نے جس مشن کے لیے طائف کی گلیوں میں اور بدر کے میدان جنگ میں اپنا مبارک خون بہایا اُس مشن کی تکمیل کے لیے میدان عمل میں نکلیں اور پاکستان کو ایسا نظام دیں جو لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا عملی نمونہ ہو۔ وگرنہ 12 ربیع الاوّل کو جلوس نکال لینا اور یا رسول اللہؐ کے محض نعرے مارنے سے ہم انجام بد سے نہیں بچ سکیں گے۔ کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ہم حضور ﷺ کی درخشندہ تعلیمات پر صدق دل سے عمل کریں۔ اللہ رب العزت ہمیں حضور ﷺ کی ہر ہر سنت پر عمل کی توفیق دے۔ یہی نجات کا راستہ ہے۔ یہی کامیابی کی کلید ہے۔ ○○

اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہم

(قرآن وحدیث کی روشنی میں)

شجاع الدین شیخ
امیر تنظیم اسلامی

ہمیں چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے معمولات کو دیکھیں کہ ہمارا طرزِ عمل اللہ کے رسول ﷺ کے اُسوہ کے کتنا قریب ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

''(اے مسلمانو!) تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے'' (الاحزاب:21)

پھر قرآن رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ بھی کہتا ہے کہ

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴﴾ ''اور آپؐ یقینا اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں۔'' (القلم)

دنیا میں بہت سارے لوگوں اور ان کے اصولوں کو فالو کرنے کے لیے پیش کیا جاتا ہے لیکن بحیثیت مسلمان ہمارے ذہن میں یہی ہونا چاہیے ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یعنی اللہ کے بعد سب سے بڑی ہستی آپ ﷺ کی ہے۔ پھر آپ ﷺ کی ذات کے حوالے سے اللہ نے کچھ سندیں عطا فرمائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴﴾ (النجم:3،4) ''اور یہ (جو کچھ کہہ رہے ہیں) اپنی خواہش نفس سے نہیں کہہ رہے ہیں۔ یہ تو صرف وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔''

پھر سورۃ الاعراف کے آخر میں فرمایا گیا:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تو صرف پیروی کر رہا ہوں اُس کی جو میری طرف وحی کی جا رہی ہے۔''

گویا آپ ﷺ کے اقوال اور اعمال دونوں وحی کے مطابق ہیں۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ کے اعمال، اقوال، معمولات کا ذکر آئے تو حساسیت رہنی چاہیے کہ یہ اس ذات کے بارے میں ذکر کیا جا رہا ہے جس ذات کے اسوہ کو اللہ نے بہترین قرار دیا، جس کے اخلاق کو اللہ نے بہترین ہونے کی سند عطا فرمائی۔ یہ اُسوہ کس کے لیے راہنمائی بنے گا؟ سورۃ الاحزاب کی آیت میں ہی اللہ نے ایک شرط بیان فرمائی:

﴿لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝۲۱﴾ ''(یہ اُسوہ ہے) ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ سے ملاقات اور آخرت کی امید رکھتا ہو اور کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتا ہو۔''

ورنہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کافروں نے بھی کیا ہے اور آپ ﷺ کی تعریف کافروں نے بھی کی ہے لیکن اگر وہ ایمان نہ لائیں تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اُسوہ سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ لہٰذا اللہ کی طرف سے شرط یہ ہے کہ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو اس اسوہ سے فائدہ ملے گا۔ **الفضل ماشھدت بہ الاعداء** کے مصداق گاندھی، نطشے، ڈاکٹر مائیکل ہارٹ، لیمن ٹائن اور دوسرے مغربی مفکرین نے آپ ﷺ کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ ہمارے لیے اس میں سبق یہ ہے کہ یہ غیر مسلم ہو کر آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرتے تھے اور آپ ﷺ کی عظمت پر کتابیں لکھ ڈالیں۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم مسلمان ہو کر آپ ﷺ کی سیرت کا کتنا مطالعہ کر رہے ہیں۔ فرنچ سکالر لیمن ٹائن نے کیا خوبصورت بات لکھی ہے کہ ''مقاصد کی عظمت، وسائل کی کمی اور نتائج کا حیرت انگیز ہونا' یہ تین چیزیں اگر criteria ہوں تو بتاؤ کہ کون محمد ﷺ کے قریب بھی دکھائی دیتا ہے؟'' اسی طرح مائیکل ہارٹ نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ دنیا کی واحد شخصیت جو مذہبی سطح پر بھی اور سیکولر سطح پر بھی کامیاب ترین ہے وہ محمد (رسول اللہ ﷺ) ہیں۔

حسنِ معاشرت:

سب سے پہلی بات جو شاید آپ کو عجیب لگے کہ ایک مرتبہ کسی کے بچے نے حضور ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا تو آپ ﷺ نے فوراً اماں عائشہ ؓ سے کپڑا لیا اور اس کو صاف کر دیا۔ آج ہم اپنے بچوں کو بھی ڈائپر کے بغیر گود میں لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور اگر ایسا کچھ معاملہ ہو جائے تو اپنی بیوی کی معاونت کر دینا بھی ہمیں مشکل لگتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ خود آگے بڑھ کر بچوں کو سلام کرتے تھے۔ یہ ایک نفسیاتی معاملہ ہے کہ بعض اوقات لوگ کسی محفل میں بیٹھ کر باتیں کر رہے ہوتے ہیں اور وہاں بچوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس سے بچوں کی نفسیات پر برا اثر پڑتا ہے۔ لیکن اللہ کے رسول ﷺ محفل میں بھی بچوں کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ گھر میں کس طرح رہتے تھے۔

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جب گھر میں ہوتے تو آپ ﷺ نے اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہوتا تھا۔ ایک حصہ آرام کرتے، ایک حصہ اللہ کی عبادت کرتے اور ایک حصہ میں گھر والوں کے کام کاج میں ان کی معاونت کرتے تھے۔ یعنی اپنے کپڑے اور جوتے کا پیوند لگانا، برتن سمیٹنا، بکری کا دودھ نکالنا وغیرہ۔

آج کے مردوں کے لیے اس میں بڑا سبق ہے۔ ہمارے ہاں کہا جاتا ہے کہ مشرقی روایات میں عورت کو شوہر کا مزاج شناس ہونا چاہیے لیکن اللہ کے رسول ﷺ ازواج مطہرات کے مزاج شناس ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: مجھے خوب معلوم ہے کہ تم مجھ سے کب ناراض ہوتی ہو اور کب راضی ہوتی ہو۔ اماں عائشہؓ نے پوچھا: وہ کیسے تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو محمد ﷺ کے رب کی قسم اور جب تم ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو کہ ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم۔

بحیثیت مسلمان اس کی کوئی جھلک ہماری زندگیوں میں بھی نظر آئے۔ بہت سارے لوگ باہر تو لیڈر ہوتے ہیں لیکن اصل لیڈر وہ ہوتا ہے جس کی لیڈری کو گھر میں بھی تسلیم کیا جائے۔ آغاز وحی میں جب رسول اللہ ﷺ پر گھبراہٹ طاری ہوئی تو اماں خدیجہ ؓ نے آپ کی گواہی دی کہ اللہ آپ ﷺ کو ضائع نہیں کرے گا کیونکہ آپ ﷺ غریبوں، مسکینوں، یتیموں کی مدد کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے اماں عائشہؓ سے دریافت فرمایا کہ آپ ﷺ کے اخلاق کیسے تھے تو آپؓ نے فرمایا: آپ ﷺ کے اخلاق قرآن تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے لیے کھڑے ہونا پسند نہیں فرمایا لیکن

جب آپ ﷺ کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہؓ آپ ﷺ کے پاس تشریف لاتیں تو آپ ﷺ ان کا کھڑے ہو کر استقبال کرتے اور اپنی چادر بچھا کر اس پر بٹھاتے تھے اور ان کی حاجت کو پورا فرماتے۔ یہی رویہ آپ ﷺ کا بیٹیوں کے ساتھ بھی ہوتا تھا۔ اس وقت کے معاشرے میں کسی کے ہاں اگر بیٹی پیدا ہوتی تھی تو وہ بہت ذلت محسوس کرتا تھا۔ لیکن اللہ کے رسول ﷺ کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ ﷺ کی خادمہ بتاتی ہیں کہ جب حضرت خدیجہؓ کے ہاں بیٹی کی پیدائش ہوئی تو اس وقت اللہ کے رسول ﷺ کعبہ کے پاس تھے۔ میں نے جا کر ان کو بتایا کہ آپؐ کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے جب یہ سنا تو آپ ﷺ کا چہرہ گلاب کے پھول کی طرح کھل اٹھا اور آپ ﷺ دوڑتے ہوئے گھر آئے اور حضرت خدیجہؓ کو مبارکباد دی اور اپنی بیٹی کو بار بار سینے سے لگاتے اور بار بار اس کو چومتے اور پھر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے محمد ﷺ کو بیٹی عطا فرمائی۔ آج بھی بیٹیوں کو ذلت سمجھنے والے جدید جاہل لوگ آپ کو مل جائیں گے جو اپنی بیٹی کے پیدا ہونے پر منہ بناتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک یا دو یا تین بیٹیوں کی اچھی طرح پرورش کی اور ان کی اچھی تربیت کی تو وہ بیٹیاں اس کے لیے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائیں گی اور ایک روایت میں (ہاتھ کی دو انگلیوں کو جوڑ کر) فرمایا کہ میں اور وہ جنت میں ساتھ ساتھ ہوں گے۔

خواتین کے لیے آپ ﷺ کا اسوہ

استاد محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور اہل علم نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ مردوں کے لیے کامل شکل میں موجود ہے لیکن خواتین کے لیے اُسوہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کا کردار ہے۔ یعنی عورتوں کے نسوانی معاملات کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ ﷺ کی بیٹیوں کا طرز عمل سامنے رکھنا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کا اخلاق

اللہ کے رسول ﷺ کا چلنے کا انداز عاجزی والا تھا یعنی نہ اکڑ ہوتی تھی اور نہ زیادہ جسم جھکا ہوا ہوتا تھا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں کا طرز عمل بیان کرتا ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ (الفرقان:63) ''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی اور نرمی کے ساتھ چلتے ہیں''

صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے درمیان عام انسان کی طرح رہتے کہ باہر سے کوئی آتا تو اسے پہچاننا مشکل ہوتا کہ ان میں اللہ کے رسول ﷺ کون ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے لیے کوئی امتیازی شان پسند نہیں کرتے تھے۔ جب اجتماعی طور پر کسی کام کو انجام دینا مقصود ہوتا تو آپ ﷺ خوشی کے ساتھ اپنے حصے کا کام لیتے اور اس کو سرانجام دیتے۔ جب رسول اللہ ﷺ صحابہؓ میں بیٹھ کر گفتگو کرتے تو ہر صحابیؓ یہی سمجھتا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا سب سے زیادہ محبوب میں ہوں اور آپؐ کی توجہ کا مرکز میں ہوں۔ آج ہم موبائل، انٹرنیٹ، سوشل میڈیا پر اتنے مصروف ہیں کہ کسی دوسرے کا احساس ہی نہیں رہا۔ اللہ ہمیں ہدایت عطا کرے۔ اسی طرح دوسروں کے ساتھ کھانے میں ہم جس طرح امتیازی سلوک کرتے ہیں، دوسرے کے گلاس میں پانی نہیں پیتے لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے 80 صحابہؓ کو ایک پیالے میں دودھ پلایا اور پھر اُسی پیالے میں خود بھی پیا۔ یہ معجزہ بھی ہے اور ہمارے لیے سبق بھی ہے۔

رسول ﷺ کی حیا:

صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک کنواری، پردہ کرنے والی لڑکی سے بھی زیادہ حیا کرنے والے تھے۔ آج ہمارے گھر میں خواتین کا لباس کیسا ہے خود اندازہ لگا سکتے ہیں؟

رسول اللہ کا حسن معاملہ

آج مسلمان عبادات میں بڑھتے ہوئے نظر آرہے ہیں مگر معاملات میں بہت کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن اللہ کے رسول ﷺ معاملات میں اتنے پکے تھے کہ آپؐ کے دشمنوں نے آپ ﷺ کو صادق اور امین کے خطاب عطا کیے تھے۔ ہجرت مدینہ کے موقع پر حالانکہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کے پروگرام بنائے جارہے تھے لیکن آپ ﷺ کا طرز عمل یہ تھا کہ لوگوں نے جو امانتیں آپؐ کے پاس رکھوائی ہوئی تھیں ان کو واپس کرنے کے لیے آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کی ڈیوٹی لگائی کہ میرے بستر پر سو جائیں اور صبح لوگوں کی امانتیں واپس کر کے مدینہ آجائیں۔ بدر کے معرکہ سے پہلے دو صحابہؓ مشرکین کے نرغے میں آگئے تو انہوں نے اس وعدے پر جان بخشی کر دی کہ ہمارے خلاف نہیں لڑو گے۔ حضور ﷺ کو پتا چلا کہ یہ وعدہ کر کے آئے ہیں تو آپ ﷺ نے ان کو لڑنے نہیں دیا۔

رسول اللہ ﷺ کا حسن تربیت

مشہور واقعہ ہے کہ ایک بدو نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا تو صحابہؓ نے اس کو زبردستی روکنے کی کوشش کی لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو روک دیا کہ اس کو فارغ ہونے دو۔ وہ جب فارغ ہو گیا تو صحابہؓ سے کہا کہ اس جگہ کو دھو لو اور پھر اس بدو کو سمجھایا کہ یہ پاک جگہ ہے یہاں پیشاب نہیں کرتے۔ آج اگر کوئی بچہ بھی ایسا کر دے تو ہم اس کو بھی کو ڈانٹنا شروع کر دیں گے۔ میں یہی کہوں گا کہ غصہ کرنا اللہ کے رسول ﷺ کی سنت نہیں ہے بلکہ اس گندگی کو دھو کر صاف کرنا سنت ہے۔ ہمیں سنت پر عمل چاہیے۔ اسی طرح ایک نوجوان آگیا کہ مجھے زنا کرنے کی اجازت دیجیے۔ آپ ﷺ نے اس کو پاس بٹھایا اور پوچھا کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہاری ماں یا بہن یا بیٹی سے کوئی زنا کرے؟ تو اس نے کہا: نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم کسی کے ساتھ زنا کرو گے تو وہ کسی کی ماں یا بہن ہوگی۔ اس کے دل پر اثر ہوا اور اس نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ مجھے معاف کر دیں اور میرے لیے دعا کریں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ اس کے سینے پر رکھ کر دعا دی اور وہ توبہ کر کے چلا گیا۔ اس سے سبق یہ ملتا ہے کہ دین کا کام کرنے والوں کو تحمل کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ تربیت نہیں ہو سکے گی۔ اللہ کے رسول ﷺ پر وحی اترتی تھی اور آپ ﷺ کے حکم پر عمل کرنا فرض کے درجے میں تھا۔ لیکن آپ ﷺ اس کے باوجود صحابہؓ سے مشاورت کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اُمت کو یہ نمونہ دیا کہ اپنے معاملات کو مشورے سے حل کرو۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت خلق

ایک خدمت خلق انتہائی سطح کی ہے کہ لوگوں کو آخرت کے عذاب سے بچایا جائے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے انفرادی معاملات میں بھی خدمت خلق کر کے دکھائی ہے۔ مکہ میں آپ ﷺ کے پاس کنیزیں آتیں کہ ہمارا فلاں فلاں کام کر دیں تو آپ ﷺ ان کا کام خوش اسلوبی سے کرتے تھے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ حضرت بلالؓ کے پاس جاتے اور فرماتے: بلال! تم چکی پیس پیس کر تھک گئے ہو گے۔ تم ذرا آرام کر لو میں تمہاری جگہ چکی پیس لیتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کا ایثار

حضرت فاطمۃ الزہراؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس

آئیں اور فرمایا کہ اباجان! میں چکی پیستی ہوں، پانی بھر کر لاتی ہوں، میرے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے ہیں۔ مجھے کوئی غلام کنیز عطا کر دیجیے۔ تو آپ ﷺ فرمایا: بیٹا! جب تک بدر کے یتیموں کا مسئلہ حل نہ ہو جائے محمد (ﷺ) کی بیٹی کو غلام اور کنیز تو نہیں مل سکتے البتہ تم رات کو سوتے ہوئے 33 مرتبہ سبحان اللہ، 33 مرتبہ الحمدللہ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو، کیونکہ یہ تمہارے لیے غلام اور کنیز سے زیادہ بہتر ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے گھر میں اللہ ہی رہے تو کافی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے غم

آج ہمارے غم بہت ہیں لیکن اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے غموں کو سامنے رکھیں تو دنیا کے بہت بڑے غم انتہائی چھوٹے محسوس ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے والد محترم کو نہ دیکھ سکے کیونکہ وہ آپ ﷺ کی پیدائش سے قبل ہی فوت ہو گئے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ چھ برس کے تھے کہ والدہ محترمہ بھی چلی گئیں۔ آٹھ برس کے ہوئے تو دادا بھی چلے گئے۔ پھر تین بیٹیاں جوانی میں آپ ﷺ کے سامنے اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ پھر تین بیٹے بچپن میں فوت ہو گئے۔ یہ سارے غم اللہ کے رسول ﷺ نے برداشت کیے۔ لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے بڑا غم اپنی اُمت کو بنایا۔ آپ ﷺ اس غم میں روتے تھے کہ مجھے اپنی اُمت کے خلاف گواہی دینی ہوگی۔ یہ وہ غم ہے جس کی وجہ سے پوری رات صرف اس ایک آیت کی تلاوت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ روتے رہے:

﴿اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝١١٨﴾ (المائدہ) ”اب اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں۔ اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو زبردست ہے حکمت والا ہے۔“

قیامت کے دن تمام انبیاء اور رسل اپنی قوموں کو جواب دے دیں گے اور سارے لوگ بشمول انبیاء و رسل نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے اس وقت اللہ کے رسول ﷺ کی زبان پر اُمتی اُمتی کے الفاظ ہوں گے اور سجدے میں اپنی اُمت کی شفاعت کے لیے رب کے حضور التجا کر رہے ہوں گے۔ کیا آج امت والا غم یا جہنم سے بچنے والا غم میرا اور آپ کا ہے؟ اگر یہ ہمارا غم بن جائے تو باقی سارے غم خود بخود ختم ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کی غیرت دینی

اماں عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا اور ذاتی معاملات کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو غصہ نہیں آتا تھا لیکن جب اللہ کی حدود میں کوئی حد ٹوٹتی تھی تو سب سے زیادہ غصہ اللہ کے رسول ﷺ کو آتا تھا۔ آج ہمارے گھر میں گلاس ٹوٹ جائے تو غصہ آتا ہے لیکن گھر میں اللہ کے احکامات ٹوٹتے رہیں، شریعت پامال ہوتی رہے تو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ پورے ملک میں سود کا نظام ہو، فحاشی و بے حیائی ہو، شراب شادی بیاہ میں، تقریبات میں کھلے عام صرف ہوتی ہے لیکن ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ فاطمہ نامی خاتون نے چوری کی تو اللہ کے رسول ﷺ کے پاس سفارش آگئی اس کو سزا نہ دی جائے لیکن اللہ کے رسول ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا: تم سے پچھلی قومیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ جب چھوٹا جرم کرتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے اور کوئی بڑا جرم کرتا تو اسے چھوڑ دیتے۔ خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہ ؓ بھی چوری کرتی تو میں اسے بھی سزا دیتا۔ فتح مکہ کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے سب کو معاف کر دیا لیکن گستاخان رسول کے بارے میں فرمایا: اگر وہ کعبہ کے غلاف میں لپٹے ہوں تو تب بھی انہیں پکڑ کر قتل کر دو۔ کعب بن اشرف، ابورافع دونوں گستاخ تھے ان کو ڈھونڈ کر اللہ کے رسول ﷺ نے قتل کیا۔ یہ سارے پہلو غیرت دینی والے ہیں۔ آج ہمیں کیا سکھایا جاتا ہے کہ ہولوکاسٹ اور ملکہ برطانیہ کے خلاف بات کرو گے تو مجرم ٹھہرو گے لیکن کوئی اللہ کے رسول ﷺ اور دوسرے انبیاء کی گستاخی کرے تو امن کی خاطر اسے کچھ نہ کہو۔ یہ امن نہیں بلکہ یہ بے غیرتی سکھائی جا رہی ہے۔ مسلمان کی غیرت گستاخ رسول کو قتل کرنے سے مشروط ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سنتیں

رسول اللہ ﷺ کی ادائیں اور سنتیں بہت مبارک ہیں۔ سنتیں چھوٹی نہیں ہوتیں بلکہ آپ ﷺ کی ہر سنت قیمتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک ادا کی پیروی کی ہم سب کو کوشش کرنی چاہیے۔ ایک مفتی صاحب سے پوچھا گیا کہ ہم میں اور صحابہ ؓ میں کیا فرق ہے؟ انہوں نے فرمایا: بہت سے فرق ہیں لیکن ایک فرق یہ ہے کہ صحابہ ؓ رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک ادا کو سنت سمجھ کر اپناتے تھے لیکن آج ہم نبی ﷺ کی ایک ایک ادا کو سنت کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ فرض تو نہیں ہے نا۔

رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی سنت

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام زندگی جس عمل میں بسر کی وہ ہے دعوت دین اور نفاذ دین کی محنت۔ مکہ کے تیرہ برس قرآن کی تلوار سے یہ دعوت کا کام کیا اور جماعت کی تیاری میں مصروف رہے۔ مدنی دور میں اس جماعت نے تلوار کے ذریعے بدر، احد، احزاب اور فتح مکہ کے مراحل کے بعد اللہ کے دین کو غالب کیا۔ یہ کام آج امت کے ذمہ ہے لیکن امت نے یہ کام چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے وہ زبوں حالی کا شکار ہے۔ اُستادِ محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ کے نبی ﷺ کا خون اُحد میں بہایا جا رہا تھا اس وقت اگر کوئی مسجد نبوی میں بیٹھ کر اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتا تو اس کا یہ عمل ہرگز مقبول نہ ہوتا۔ آج ہمیں رسول اللہ ﷺ کی خوشبو، مسواک، بیٹھنے کی سنتیں ہی یاد ہیں اور دوسری طرف اللہ کے دین کی جگہ باطل کا نظام قائم ہے۔ دین کو قائم کرنے کی جدوجہد رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی سنت ہے۔ اس کو ہمیں ترجیح اول دینا ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے دعوت دین کا کام جس محنت کے ساتھ کیا اور اس میں جو تکالیف اٹھائیں وہ ہمارے لیے اصل اُسوہ ہے۔ دین کی جدوجہد میں اللہ کے رسول ﷺ کا طائف کی گلیوں میں خون بہا، اُحد میں بہا، مکی دور میں تین سال اپنے خاندان والوں کے ساتھ محصور رہے، اپنے صحابہؓ کی شہادت کے غم اٹھائے۔ اگر اللہ چاہتا تو آپ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ ہونے دیتا لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ کو اُمت کے لیے نمونہ بنانا تھا اس لیے اللہ نے یہ کام ہونے دیے۔

اب یہ دعوت دین کا کام امت کی ذمہ داری ہے۔

آج میرے اور آپ کے پاس دین کو دینے کے لیے وقت، مال، اولاد، صلاحیتیں، تعلقات ہیں۔ اس کام کے لیے رسول اللہ ﷺ کا خون گرتا تھا۔ کیا آج ہمارا پسینہ بھی گرتا ہے یا نہیں؟ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ تنہائی میں بیٹھ کر سوچیے گا کہ کیا ہم آج اللہ کے رسول ﷺ کے اسوہ پر عمل کر رہے ہیں؟ بالخصوص دین کو قائم کرنے کی جدوجہد میں کتنا وقت اور صلاحیتیں لگا رہے ہیں؟ اللہ مجھے اور آپ کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(مرتب: ابوابراہیم محمد رفیق چودھری)

اطاعت رسول ﷺ کی اہمیت

حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ

﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ (الحشر:7)
''سو جو چیز تم کو پیغمبرؐ دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔ ''

یہاں اسلامی زندگی کا ایک بنیادی اصول دیا گیا ہے کہ جو کچھ رسول تمہیں عطا کریں اسے خوشدلی سے قبول کرلو اور جس چیز سے روک دیں، اس سے رک جاؤ۔ رسول جو کچھ تمہیں بتارہے ہیں وہ سب کا سب دین ہے۔ وہ اللہ کا فیصلہ اور اُس کا حکم ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کوئی بھی بات اپنی طرف سے نہیں فرماتے، بلکہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ اللہ ہی کے اذن سے ہوتا ہے۔ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (3) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (4)﴾ (النجم) ''اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں، یہ تو اللہ کا حکم ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔'' اللہ کے نبی ﷺ کی بات بھی وحی کی بنیاد پر ہوتی ہے، اگرچہ وہ وحی غیر متلو ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ رسولِ خدا ﷺ نے جو حکم دیا ہے یہ قرآن میں کہاں آیا ہے؟ کسی کو بھی یہ پوچھنے کا اختیار نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس ہستی نے قرآن نازل کیا ہے، اُسی نے حضور ﷺ کو یہ اتھارٹی عطا فرمائی ہے کہ آپؐ کی اطاعت کی جائے، اس لیے کہ آپؐ کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ (النساء: 64) ''اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے'' ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ (النساء: 80) ''جو شخص رسولؐ کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔''

رسول (معاذ اللہ) ڈاک کا ہرکارہ نہیں ہوتا، جیسے کہ آج کل منکرین حدیث کے ہاں تصور پایا جاتا ہے، بلکہ اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے، جس کی اطاعت لازم ہے۔ انکارِ حدیث کا فتنہ ہمارے ہاں سرسید احمد خان ہی کے دور سے شروع ہو گیا تھا۔ بعد ازاں یہ فتنہ بڑھتا رہا۔ غلام احمد پرویز کی صورت میں یہ کھل کر سامنے آیا۔ آج اسی کا ظہور ہم ایک ''جدید سکالرز'' کی شکل میں دیکھ رہے ہیں جو حدیث اور سنت کو اُس کا اصل مقام دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے دین کی عجیب وغریب تعبیرات کر رہے ہیں۔ داڑھی کے بارے میں پوچھیں تو کہہ دیں گے کہ داڑھی کا قرآن میں ذکر نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ (معاذ اللہ) جو چیز قرآن میں نہیں ہے، اس کا دین میں کوئی مقام نہیں ہے۔ کیا حضور ﷺ کے اقوال، آپؐ کا عمل، آپؐ کی تائید دین نہیں ہے؟ اگرچہ اطاعت اصلاً اللہ تعالیٰ کی ہے جو رب العالمین ہے، مالک الملک اور خالق وآقا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے کو کامل اتھارٹی کے ساتھ اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا، تو اب کسی کے لیے یہ گنجائش نہیں ہے کہ اللہ کے نمائندے کی بات کو حجت تسلیم نہ کرے۔ جب اللہ خود یہ کہتا ہے کہ میرا نمائندہ جو کچھ کہے وہ میری ہی طرف سے ہوتا ہے، تو پھر اُس کی اطاعت میں کوئی شبہ نہ رہا۔

اِس آیت کی تشریح ایک حدیث سے ہوتی ہے، جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ ؓ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو پھر اس کو بجالاؤ (اس پر عمل کرو) جتنی تمہارے اندر استطاعت ہے۔ اور جس بات سے میں روک دوں اس سے باز آ جاؤ۔'' یعنی مجھے یہ اتھارٹی اللہ نے دی ہے۔ لہٰذا میں جس چیز کا حکم دوں وہی دین ہے، اس کو تھام لو، اور جس سے روک دوں اس سے باز آ جاؤ۔ چنانچہ اس سلسلہ میں عہدِ صحابہؓ کا ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ بخاری کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا اللہ کی لعنت ہو گودنے والیوں اور گدوانے والیوں پر اور (سفید بال) نوچنے والیوں پر اور خوبصورتی کے لیے دانتوں کی جھریاں بنانے والیوں پر اور تخلیق خداوندی کو بدلنے والیوں پر۔ حضرت ابن مسعود ؓ کے اس قول کی اطلاع بنی اسد کی ایک عورت کو پہنچی تو وہ آئی اور حضرت ابن مسعود ؓ سے کہا مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپؓ نے ایسی ایسی عورت پر لعنت کی ہے۔ ابن مسعود ؓ نے فرمایا، اللہ کے رسول نے جس پر لعنت کی ہے (اور جن کے احکام کی پابندی کی ہدایت اللہ کی کتاب میں موجود ہے انہوں نے لعنت کی) میں ایسی عورتوں پر لعنت کیسے نہ کروں۔ اس عورت نے کہا دونوں لوحوں کے درمیان جو کتاب موجود ہے میں نے وہ (ساری) پڑھی۔ اس میں تو کہیں مجھے نہیں ملا۔ حضرت ابن مسعود ؓ نے فرمایا تو نے کتاب اللہ پڑھی ہی نہیں۔ اگر پڑھتی تو تجھے (یہ حکم) مل جاتا۔ کیا تو نے نہیں پڑھا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ عورت نے کہا کیوں نہیں (یہ آیت تو میں نے پڑھی ہے)۔ فرمایا تو اللہ کے رسولؐ نے (ایسا کرنے کی) ممانعت کر دی ہے۔ وہ عورت بغاوت کرنے والی نہیں تھی جیسا کہ آج پوری دنیا میں عورتوں کو ایک باغیانہ کردار دے دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے ساتھ کوئی بحث و مباحثہ نہ کیا اور بات فوراً قبول کر لی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے ایک شخص کو احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو حکم دیا کہ یہ کپڑے اُتار دو۔ اس شخص نے کہا کہ آپؓ اس کے متعلق مجھے قرآن کی کوئی آیت بتا سکتے ہیں؟ جس میں سلے ہوئے کپڑوں کی ممانعت ہو۔ حضرت ابن مسعود ؓ نے فرمایا، ہاں وہ آیت میں بتاتا ہوں۔ پھر یہی آیت وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ پڑھ کر سنا دی۔ امام شافعی ؒ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب قرآن سے دے سکتا ہوں، پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے، ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک محرم نے زنبور (تتیا) مار ڈالا تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام شافعیؒ نے یہی آیت وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ تلاوت کر کے حدیث سے اس کا حکم بیان فرما دیا۔ (قرطبی)

اس آیت کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں: ''یہاں رسول کا یہ درجہ جو واضح فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ وہ دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ، اگرچہ اس کا ایک خاص محل ہے لیکن اس سے جو حکم مستنبط

ہوتا ہے وہ بالکل عام ہوگا۔ یعنی زندگی کے ہر معاملے میں رسول کے ہر حکم و نہی کی بے چون و چرا تعمیل کی جائے گی۔ اس لیے کہ رسول کی حیثیت جیسا کہ قرآن میں تصریح ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے ایک واجب الاطاعت ہادی کی ہوتی ہے۔ فرمایا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (النساء 64) ''اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے'' گویا اس ٹکڑے کے دو مفہوم ہوں گے: ایک خاص، دوسرا عام۔ اپنے خاص مفہوم کے پہلو سے یہ اپنے سابق مضمون سے مربوط ہوگا اور اپنے عام مفہوم کے اعتبار سے اس کی حیثیت اسلامی شریعت کے ایک ہمہ گیر اصول کی ہوگی۔'' آگے فرمایا:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝﴾

''اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

اللہ سے ڈرتے رہو۔ اُس کا تقویٰ اختیار کرو۔ اس لیے کہ اللہ کا تقویٰ سب سے بڑی متاع ہے۔ تقویٰ اللہ کی ناراضی سے ڈرنے کا نام ہے۔ جب آدمی کے دل میں یہ ڈر ہوتا ہے تو وہ طاعات پر آمادہ ہوتا اور معصیات سے بچتا ہے۔ اور جب دل تقویٰ سے خالی ہوتا ہے تو انسان اپنے لیے غلط روی کے راستے تلاش کرتا ہے، حیل و حجت کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے الفاظ تو رہ جاتے ہیں، لیکن ان کی روح نکال دی جاتی ہے۔ جیسے بنی اسرائیل نے اصحاب سبت کے واقعہ میں کیا تھا۔ انہیں ہفتہ کے دن کاروبار سے روکا گیا تھا۔ جیسے آج مسلمانوں پر نماز جمعہ کی اذان (یعنی اذان ثانی) سے لے کر نماز کے ادا ہو جانے تک کاروبار دنیوی حرام ہے، اسی طرح ان کے لیے ہفتہ کے پورے دن دنیاوی کاروبار ممنوع تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اس دن وہ اللہ کو یاد کریں، اللہ کی بندگی کریں، اللہ سے لو لگائیں، ذکر و اذکار کریں۔ یہودیوں کی ایک بستی والوں کو جو مچھلیاں پکڑتے تھے، اللہ نے سبت کے حکم کے حوالے سے آزمائش میں ڈال دیا۔ چونکہ وہ ہفتہ کے دن مچھلیاں نہیں پکڑتے تھے، لہٰذا اُس دن مچھلیاں ساحل کے قریب گھومتی پھرتی نظر آتی تھیں، یہ صورتحال اُن کے لیے موجب اضطراب ہوتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے حیلہ نکالا کہ ہفتہ کے دن ساحل سمندر کے گرد گڑھے کھودتے تھے، اور پانی کو مچھلی سمیت اُن گڑھوں میں لے آتے اور شام کو پانی کی واپسی کا راستہ بند کر دیتے تھے، تاکہ اب جو مچھلیاں ادھر آ گئیں وہ واپس نہ جا سکیں۔ اتوار کی صبح جا کر یہ مچھلیاں پکڑ لیتے تھے۔ اس حرکت پر جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کی نافرمانی نہ کرو، دین و شریعت کے ساتھ کیا مذاق کر رہے ہو۔ تو وہ کہتے کہ ہم نے اللہ کا حکم تو نہیں توڑا، ہم نے تو ہفتہ کو مچھلی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ ہم نے تو کوئی دنیوی کاروبار نہیں کیا۔ جب تقویٰ نہ ہو تو پھر اسی طرح کے حیلے نکالے جاتے ہیں۔ بہرکیف اللہ نے اس حیلہ گری کی سخت سزا دی، جس کا ذکر سورۃ الاعراف میں آیا ہے۔

جب دل میں تقویٰ ہوگا، تو پھر اس طرح کی حیلہ گری نہیں ہوگی بلکہ اللہ اور اُس کے رسول کی سچی اطاعت ہوگی۔ اور تقویٰ کی بڑی برکات ظاہر ہوں گی۔ اس لیے حکم دیا گیا کہ دیکھو اللہ سے ڈرو۔ ایک دن اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ تم ایک دوسرے کے سامنے جواب دہ نہیں مگر اللہ کے سامنے ہر ایک کو جواب دینا ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ تمہارے اندر کیا ہے اور پھر یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ عذاب دینے میں بہت سخت ہے۔

نہ جا اُس کے تحمل پہ کہ بے ڈھب ہے گرفت اُس کی
ڈر اُس کی دیر گیری سے کہ سخت ہے انتقام اُس کا

امیر تنظیم اسلامی کی چیدہ چیدہ مصروفیات

(03 تا 09 اکتوبر 2020ء)

ہفتہ (03 اکتوبر 2020ء) کو دارالاسلام مرکز میں مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت کی۔ بعد نماز عصر مشیر خصوصی قمر سعید قریشی سے ملاقات اور عیادت کی۔ بعد نماز مغرب قرآن اکیڈمی میں حلقہ لاہور غربی کے اجتماع میں رفقاء سے بیعت مسنونہ لی۔ سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی اور آخر میں رفقاء سے خطاب کیا۔ اجتماع کے بعد رات 9:00 بجے ڈاکٹر ابصار احمد سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ان کے گھر پر ملاقات کی۔

اتوار (04 اکتوبر 2020ء) کی صبح ساہیوال روانگی ہوئی۔ وہاں 10:30 بجے حلقہ کے اجتماع میں شرکت کی۔ حلقہ کے رفقاء سے بیعت مسنونہ لی۔ سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ بعد ازاں رفقاء سے خطاب کیا۔ یہ پروگرام نماز ظہر تک جاری رہا۔ اس کے بعد لاہور واپسی ہوئی۔ شام کو حلقہ لاہور شرقی کے اجتماع میں رفقاء سے بیعت مسنونہ ہوئی۔ سوال و جواب کی نشست کے علاوہ رفقاء سے خطاب کیا۔ رات کو کراچی واپسی ہوئی۔

پیر، منگل، بدھ و جمعرات (05 تا 08 اکتوبر 2020ء) کو کراچی میں قیام کے دوران علم فاؤنڈیشن، کچھ ریکارڈنگ اور معمول کی دیگر مصروفیات رہیں۔ نائب امیر سے تنظیمی امور کے حوالے سے آن لائن رابطہ رہا۔ نائب ناظم اعلیٰ جنوبی پاکستان، سید اظہر ریاض کے ہمراہ انجمن خدام القرآن سندھ کے سیکرٹری، سلمان اشرف صاحب کی عیادت کی۔

جمعہ (09 اکتوبر 2020ء) کو جامع مسجد شادمان، کراچی میں اجتماع جمعہ سے خطاب کیا۔ رات لاہور واپسی ہوئی۔

اطاعت رسول ﷺ: ایمان کی علامت

ڈاکٹر اسرار احمد ؒ

عَنْ اَبِیْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ)) (شرح السنة)

سیدنا ابو محمد عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی دلی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت اور دین کے تابع نہ ہوں''۔

اس حدیث کا آغاز ''لایومن'' سے ہوا ہے۔ اِس طرح کی چند اور احادیث بھی ہیں جن کا آغاز ''لایومن'' سے ہوتا ہے۔ مثلاً آپ ؐ نے فرمایا:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ))

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اُس کے باپ، بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

ایک اور موقع پر آپ ؐ نے فرمایا:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ))

''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

ایک اور حدیث ہے:

((وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ)) قِیْلَ مَنْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ! قَالَ: ((اَلَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ))

''اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص مومن نہیں''۔ پوچھا گیا، یارسول اللہ! کون شخص؟ فرمایا: ''جس کی ایذا رسانی سے اُس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔''

ان احادیث میں ''لایومن'' کے جو الفاظ آئے ہیں، ان کا مطلب یہ نہیں کہ ایسا شخص کافر ہو گیا، بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ شخص ایمان حقیقی سے محروم ہے۔ ایمان کے دو درجے ہیں، ایک قانونی ایمان ہے۔ جو شخص بھی کلمہ پڑھ لے، وہ مسلمان ہو جاتا ہے، خواہ وہ فاسق و فاجر ہو، وہ چوری اور بدکاری کا مرتکب کیوں نہ ہو، وہ مسلمان ہی تصور کیا جائے گا۔ اُسے گناہ کی سزا تو ملے گی، لیکن اُسے کافر نہیں کہا جا سکتا۔ دوسرا ایمان حقیقی ہے، جو دل میں جاگزیں ہوتا ہے۔ ایمان اگر حقیقی درجے کا ہو تو آدمی کی سب سے بڑھ کر محبت نبی اکرم ﷺ سے ہوگی، وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے گا جو اپنے لیے کرتا ہے، وہ کبھی اپنے پڑوسی کو ایذا نہیں دے گا۔

حدیث زیر درس میں فرمایا کہ اُس شخص کو ایمان حقیقی کی دولت حاصل نہیں ہے، جس کی ہوائے نفس شریعت کے تابع نہ ہو۔ ہوا یا خواہش نفس کے دو درجے ہیں۔ اِس سے ایک تو مراد انسان کے جبلی تقاضے ہیں، جنہیں جدید نفسیات میں اڈیالبیڈو کہتے ہیں، مثلاً جبلی طور پر انسان کو بھوک لگتی ہے اور وہ کھانا کھاتا ہے۔ اُس کے اندر شہوت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور وہ شادی کرتا ہے۔ اِسی طرح اُسے تھکن محسوس ہوتی ہے تو وہ آرام کرتا ہے، وغیرہ۔ یہ جبلی تقاضے ہیں۔ اِن کی تسکین بھی ضروری ہے، مگر انہیں بے لگام نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اِن کو کنٹرول کیا جانا ضروری ہے۔ روزے کی غرض و غایت یہی ہے کہ اِن تقاضوں کو لگام دی جائے۔ یہ بات بھی واضح کر دی جائے متذکرہ جبلی تقاضوں اور خواہشات نفس کو مکمل طور پر کچل دینا مطلوب نہیں، کہ یہ رہبانیت ہے اور اسلام رہبانیت کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ اِن تقاضوں کو جائز ذرائع سے پورا کیا جانا ضروری ہے۔ اِن کی تسکین کے لیے غلط راستہ اختیار کرنے کی ممانعت ہے۔

ہوائے نفس کا دوسرا مرحلہ وہ ہے، جس میں محض جبلی تقاضوں کی تسکین ہی پیش نظر نہیں ہوتی، بلکہ اس میں تعیش پسندی کا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے۔ کھانا انسان کی ضرورت ہے، لیکن انواع و اقسام کے کھانوں کے کئی کئی کورس چل رہے ہیں اور کھانا ضائع ہو رہا ہے، جو کہ یہ اسراف ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہوائے نفس اب پہلے سے بھی زیادہ بے لگام ہو گئی ہے۔ اِسی طرح کپڑے اور لباس آپ کی ضرورت ہے، لیکن یہ کیا، کہ کپڑوں کے اتنے جوڑے ہیں کہ اُن کا شمار نہیں۔ یہ ضرورت نہیں، عیاشی ہے۔

جب یہ صورت پیدا ہو جائے تو سمجھ لو کہ نفس آپ کا باغی، مخالف اور دشمن بن گیا ہے۔ اگر آپ حلال و حرام کی پروا کیے بغیر نفس کی خواہش کو پورا کر رہے ہیں، تو گویا اُس کی بندگی اور غلامی کر رہے ہیں اور نفس عملاً آپ کا معبود بن گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الفرقان میں فرمایا:

﴿اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـھَہٗ ھَوٰىہُ ۭ اَفَاَنْتَ تَکُوْنُ عَلَیْہِ وَکِیْلًا ﴿۴۳﴾﴾

''(اے نبی ؐ) کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے۔ تو کیا تم اس پر نگہبان ہو سکتے ہو۔''

اسی طرح سورۂ جاثیہ کی آیت 23 میں فرمایا:

''بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے بوجھنے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) اللہ نے (بھی) اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔''

اگر علم ہو جانے کے باوجود حق کی مخالفت ہو رہی ہے، اس کا انکار ہو رہا ہے، اپنے حقیر مفادات، اپنی حیثیت، اپنا مقام، اپنا مرتبہ، اپنی وجاہت اور اپنا اقتدار قبول حق میں آڑے آ رہے ہیں، تو یہی درحقیقت نفس کو اپنا معبود بنا لینا ہے۔ قرآن حکیم میں یہودیوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کو اس طرح جانتے اور پہچانتے تھے، جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں، مگر اس کے باوجود وہ آپ ؐ پر ایمان نہیں لائے۔ کیوں؟ محض اس لیے کہ اُن کی قیادت و سیادت قائم رہے۔ گویا ہوائے نفس اُن کے قبول حق کے راستے کا پتھر بن گئی۔

ہوائے نفس ہلاکت کا باعث ہے۔ اس کے مقابلے میں جو روش کامیابی و کامرانی کی موجب ہے، وہ

نفس کو کنٹرول کرنا ہے، اس منہ زور گھوڑے کو لگام دینا ہے۔ سورۃ النازعات 37 تا 41 میں نفس کی اِن دو متضاد حالتوں اور اُن کے نتائج کا ذکر آیا ہے۔ اوّل الذکر حالت جہنم میں لے جانے والی ہے اور موخر الذکر جنت میں داخلے کا باعث ہے۔ فرمایا:

’’تو جس نے سرکشی کی، اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور نفس کو خواہشوں سے روکتا رہا، اس کا ٹھکانا بہشت ہے۔‘‘

انہی آیات کی ترجمانی نبی اکرم ﷺ نے حد درجہ اختصار کے ساتھ اِس حدیث میں فرمائی ہے:

’’عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور آخرت کے لیے اعمالِ صالحہ میں کوشاں رہے اور پیچھے رہنے والا (فاتر العقل) وہ ہے جو خواہشاتِ نفس کا شکار ہو جائے اور (پھر بھی) اللہ سے بڑی بڑی امیدیں لگائے بیٹھا رہے۔‘‘ (رواہ الترمذی)

اگر آپ کا آخرت پر ایمان ہے، تو آپ کی بہترین صلاحیتیں آخرت کو سنوارنے میں لگنی چاہئیں۔ اگر آپ آخرت کے لیے صرف اتنی سی کوشش کرتے ہیں کہ انگلی کٹوا کر شہیدوں میں نام لکھوا دیں، اور آپ کی ساری جدوجہد اور بھاگ دوڑ دنیا بنانے کے لیے ہے، جسم و جان کی تمام توانائیاں اسی راہ میں خرچ ہو رہی ہیں، تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دنیا آپ کا معبود بن چکی ہے۔ اگرچہ دنیا کی ضروریات کی فراہمی کے لیے محنت ومشقت اور تگ ودو بھی ضروری ہے اور اسلام اس سے منع نہیں کرتا، بلکہ اکل حلال کی ترغیب دیتا ہے، مگر دنیا کے لیے محنت اتنی ہو جس قدر ضرورت ہو۔ اس لیے کہ اگر آدمی کی ضروریات کے لیے تھوڑی چیز اور کم سرمایہ بھی مل جائے جو کفایت کر جائے، تو وہ اس زیادہ سرمائے سے کہیں بہتر ہے جو غافل کر دے۔ اگر تھوڑے روپے پیسے سے بنیادی ضروریات پوری ہو رہی ہیں اور کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا نہیں پڑ رہا، تو پھر زیادہ کی حرص وہوس نہیں کرنی چاہیے۔ مال و دولت جتنا زیادہ ہوگا، اللہ تعالیٰ سے غافل کرے گا، پھر یہ کہ روزِ محشر اُس کا حساب بھی اسی قدر مشکل ہوگا۔

قرآن حکیم میں نفس کی پیروی کے ضمن میں کئی مقامات پر ’’اتباع ھوا‘‘ کا ذکر آیا ہے۔ کہیں کسی مثال کے ذریعے اس کی شناعت اور ہلاکت کو سمجھایا گیا ہے، اور کہیں نہی کے صیغے میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

سورۃ الاعراف کی آیت 176 میں بلعم بن باعورہ کا ذکر ہے۔ وہ ایک صاحب کرامت بزرگ، عالم، زاہد اور پرہیزگار شخص تھا، لیکن جب نفس کے پیچھے لگا، تو پستیوں کی طرف لڑھکتا چلا گیا۔ اس کے تذکرہ میں فرمایا:

’’اور ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں۔ (اور ہفت پارچہ علم شرائع سے مزین کیا) تو اس نے ان کو اتار دیا۔ پھر شیطان اس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا۔ تو اُس کی مثال کتے کی ہو گئی، کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہی مثال اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ تو (اُن سے) یہ قصہ بیان کر دو، تاکہ وہ فکر کریں۔‘‘

سورۃ الکہف کی آیت 28 میں نبی اکرم ﷺ سے فرمایا گیا:

’’اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے، اس کا کہنا ماننا۔‘‘

اسی طرح سورۂ طٰہٰ آیت 16 میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کے ضمن میں فرمایا:

’’تو جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے (کہیں) تم کو اس (کے یقین) سے روک نہ دے تو (اس صورت میں) ہلاک ہو جاؤ۔‘‘

سورۃ القصص کی آیت 50 میں ایسے شخص کو جو نفس کا پجاری ہو، سب سے بڑا گمراہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

’’اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔

سورۂ ص کی آیت 26 میں حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا گیا:

’’اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا، کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔

سورۃ المائدہ کی آیت 48 میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے، اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور حق جو تمہارے پاس آ چکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہش کی پیروی نہ کرنا۔‘‘

حدیث زیر درس کا حاصل ہے کہ بندۂ مومن نفس کی پیروی نہ کرے، بلکہ اُس چیز کی پیروی کرے، جو نبی اکرم ﷺ لے کر آئے، آپؐ کی اطاعت کرے۔ آپؐ کی اطاعت ایمان حقیقی کا ثبوت ہے۔ اگر رسول ﷺ کی اطاعت ہے، تو ایمان ہے، اور اگر آپؐ کی اطاعت سے انحراف ہو رہا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ ایمان موجود نہیں ہے۔ نبی ﷺ کی اطاعت کا مظہر آپؐ کی سنت کی تعمیل ہے۔ آپؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی ہے۔ اسی لیے آپؐ نے فرمایا کہ کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اُس چیز کی پیروی نہ کر لے جو میں لایا ہوں۔ آپؐ دو چیزیں لائے۔ ایک قرآن حکیم ہے۔ اس کی تعلیم اور اُس کے احکامات پر چلنا لازم ہے۔ یہاں پر بھی واضح ہو کہ قرآن مجید کے عام کو خاص یا خاص کو عام کرنے کا آپؐ کو حق حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے آپؐ نے سورۃ النور میں زانی کی جو سزا (سو کوڑے) آئی ہے، اُسے غیر شادی شدہ زانی مرد اور عورت کے لیے خاص کیا ہے۔ شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے جو سنت سے ثابت ہے۔ حضور جو دوسری چیز لائے وہ سنت ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اوتیت القرآن و مثلہ معہ))

’’مجھے قرآن بھی دیا گیا اور اس جیسی دوسری چیز (یعنی سنت) دی گئی۔‘‘

سنت رسول ﷺ بھی حجت ہے۔ اس کی پیروی بھی ضروری ہے۔ یہ فکر بہت بڑی گمراہی ہے کہ سنت سے احکامات شریعت ثابت نہیں ہوتے۔ یہ گمراہی گزشتہ سو سال سے بہت تیزی کے ساتھ ہمارے معاشرے میں پھیلی ہے، جب سے سائنس وفلسفہ اور مغربی تہذیب یہاں آئی۔ حجیت حدیث کا انکار حدیث کا استخفاف ہے، اور اس جرم میں علامہ مشرقی، غلام احمد پرویز، عبداللہ چکڑالوی اور اسلم جیراجپوری جیسے لوگ ملوث رہے ہیں، جنہیں ہمارے ہاں ماڈرنسٹ کہا جاتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نفس کی شرارتوں سے بچائے اور قرآن وسنت رسولؐ کی صحیح معنوں میں پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حضور اکرم ﷺ کا انقلاب اور معاشرتی مساوات

سید اسعد گیلانی

حضور اکرم ﷺ کے برپا کردہ اسلامی انقلاب نے تمام انسانوں کو ایک سطح پر لا کر کھڑا کر دیا اور وہ سطح تھی انسانیت کی مساوی سطح، ابن آدم ہونے کی حیثیت سے آدمی کی سطح اور اللہ کا بندہ ہونے کی حیثیت سے بندگی کی سطح۔ یہ وہ مساوی اور برابری کی سطح تھی جس پر اس سے پہلے سارے انسانوں کو کبھی کھڑا نہیں کیا گیا تھا۔ حضور ﷺ کے انقلاب کا یہ حیرت انگیز معاشرتی اور انسانی پہلو تھا۔ پہلی بار آدم کے بیٹوں کو مساوی انسانی حقوق ملے تھے۔

جب سے انسان زمین پر آیا تھا، اس نے اپنی امتیازی شان بنانے کے لیے بیسیوں وجوہ امتیاز پیدا کر لیے تھے۔ سارے انسانوں کے پاس یکساں اعضاءِ انسانی تھے۔ ان کی عمومی قوتیں اور صلاحیتیں بھی برابر سی تھیں۔ عام حالات میں جس طرح کسی بکری کو دوسری بکریوں پر اور کسی شیر کو دوسرے شیروں پر فضیلت دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی اسی طرح انسانوں میں بھی ایک انسان کو دوسرے انسان پر ترجیح و فضیلت کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن اشرف المخلوقات انسان نے جہاں اور بہت سی پستیاں اپنے اندر قبول کیں، ان میں ایک یہ بھی تھی کہ وہ بتدریج ایک دوسرے کے مقابلے میں بلندی و پستی، فضیلت و عدم فضیلت اور امتیازات اعلیٰ و ادنیٰ کا شکار ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ بعض انسان دوسرے انسانوں کے مقابلے میں اپنی خدائی کے دعوے کرنے لگے۔ ذرا سی اجتماعی قوت و اختیار نصیب ہوا اور ذرا سا حکم چلنے کا امکان پیدا ہوا تو انسان اپنے بارے میں اس غلط فہمی میں پڑ گیا کہ وہ عام انسانوں سے فائق تر کوئی بہت بڑی شے تھا۔ وہ محسوس کرنے لگا کہ دوسرے انسان اس کے مقابلے میں بہت پستی اور ذلّت کے مقام پر کھڑے تھے۔ پھر دوسرے انسانوں نے بھی اسے یہی یقین دلایا کہ واقعی اس میں ایسی خوبیاں موجود تھیں کہ دوسروں کے مقابلے میں اسے اشرف و اعلیٰ و رافع قرار دیا جائے۔

بتدریج اس شرف و رفعت کے لیے کئی پیمانے وضع ہوتے چلے گئے۔ خاندانی نسب کا شرف، نسل و خون کی رفعت، رنگ کی خوبی، قبیلہ کی بلندی، عہدہ و منصب کا امتیاز اور ان امتیازات کے زینے لگا لگا کر انسان نے بناوٹی طور پر اپنے آپ کو دوسروں سے بلند ثابت کرنے کی ہمیشہ کوشش کی۔ یہ شیطانی جاہلی جذبہ اس قدر قوی نکلا کہ انسان میں اوّل روز سے اس کے ساتھ ساتھ چلا آتا ہے اور جو بات ابلیسِ لعین آدم کے مقابلے میں کہہ کر مستقل طور پر راندہ درگاہ ہوا تھا اُسی بات کی توقع انسان بھی رکھتا ہے کہ اس کی فضیلت کو تسلیم کیا جائے حالانکہ اپنی فضیلت کا ایسا ہی جھگڑا ابلیس نے بھی آدم کے بارے میں اپنے رب کے سامنے کیا تھا اور اس کی ابدی سزا بھگتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو فرشتوں سے کہا کہ اس نئی مخلوق کو جو مٹی سے بنائی گئی تھی، سجدہ کرو۔ اس حکم پر سارے ہی فرشتے سجدہ ریز ہو گئے۔ مگر اپنی بڑائی اور فضیلت کے گھمنڈ میں مبتلا ابلیس سجدے سے باز رہا اور انکار کر بیٹھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اے ابلیس تجھے کیا چیز اس کو سجدہ کرنے سے مانع ہوئی جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ کیا تو بڑا بن رہا ہے یا تو ہے ہی کچھ اونچے درجے کی ہستیوں میں سے۔“ (ص:75)

اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں جو بات ابلیس نے کہی، وہی اس کائنات کی سب سے پہلی اور مہلک بیماری قرار پائی۔ یعنی تکبر و غرور۔

اس نے کہا ”میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے۔“ (آیت:76)

اس نسلی اظہار فضیلت کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اسی وقت جو فیصلہ فرمایا وہ یہ تھا:

اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا ”اچھا تو یہاں سے نکل جا، تو مردود ہے اور تیرے اوپر یوم الجزا تک میری لعنت ہے۔“ (ص:77)

اسلامی معاشرے میں سب انسان معاشرتی اور انسانی سطح پر برابر ہوتے ہیں اور کسی کو کسی دوسرے پر کوئی وجۂ امتیاز و فضیلت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ وہ الٰہی تعلیمات پر مبنی معاشرہ ہے۔ یہ وہ انقلابی تصورِ مساوات ہے جو حقیقی انسانی مساوات پر مبنی ہے۔ قرآن کی آمد سے پہلے کسی دیگر معاشرے کو مساواتِ انسانی کا یہ انقلابی تصور نصیب نہیں ہوا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اسلامی انقلاب کے ذریعے جو معاشرہ برپا کیا اس میں بنیادی حقوق کے اعتبار سے بھی تمام باشندوں میں مساوات تھی۔ نسل، رنگ، خون، زبان، خاندان یا ذات برادری کی بنا پر کوئی برتر یا کم تر نہ تھا۔ سب کے سب افراد مساوی حقوقِ انسانی سے بہرہ ور تھے۔ حقِ نصیحت سب کو حاصل تھا۔ تحریر، تقریر، اجتماع، ملکیت، کسب، تجارت، آبادکاری، سفر، عزت و آبرو، خلوت غرض وہ تمام انسانی حقوق جو انسان کو انسان ہونے کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائے ہیں حضور ﷺ کے برپا کردہ اسلامی معاشرے میں سارے باشندوں کو مساوی طور پر حاصل تھے۔

دوسروں کے مقابلے میں کسی کے بھی مفادات مخصوص اور محفوظ نہ تھے۔ سب افراد ریاست کے نزدیک برابر اور محترم تھے۔ سب کی ذمہ داریاں، صلاحیت اور اہلیت کے تناسب سے مساوی تھیں۔ بنیادی ضروریات کے لیے روزگار کے بنیادی حقوق بھی سب کو میسر تھے۔ اور سب کو ان حقوق کی ضمانت بھی حاصل تھی۔ کوئی شخص بھی کسی دوسرے شخص سے دین و اخلاق کی فضیلت کے سوا کسی دوسری فضیلت کے سبب برتر و محترم نہ تھا۔ سوائے اس معیارِ فضیلت کے جو اسلام نے اپنے معاشرے میں خود مقرر فرما دیا ہے۔

یہ بالکل ایک نیا اور انقلابی تصورِ فضیلت ہے جو اسلام نے پیش فرمایا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

”پرہیزگاری کے سوا اور کسی چیز کی بنا پر ایک شخص کو دوسرے شخص پر فضیلت نہیں ہے۔ سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔“

مزید فرمایا:

”نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے اور نہ عجمی کو عربی پر، تم سب آدم کی اولاد ہو۔“

نیز فتحِ مکہ کے موقع پر فرمایا:

”سن رکھو کہ فخر و ناز کا ہر سرمایہ، خون اور مال کا ہر دعویٰ آج میرے ان قدموں کے نیچے ہے۔“

پھر فرمایا:

”اے لوگو تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ نسب کے لیے کوئی فخر نہیں ہے۔ عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر کوئی فخر نہیں ہے۔ تم میں سب سے زیادہ

معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔‘‘

حضور ﷺ کے پیش کردہ اس معیارِ فضیلت نے تمام غیر الٰہی نظریات کے معیارات کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ نسل کے بت پر اسلام نے یہ کہہ کر ضرب لگائی۔

’’اللہ نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا، پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا۔‘‘(النساء:1)

مزید ارشاد ہوا:

’’اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ اور قبائل بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت تم میں سب سے معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔‘‘(سورۃ الحجرات)

حضور ﷺ نے فرمایا:

’’جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں، جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں، جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں۔‘‘

نیز فرمایا:

’’وہ شخص ہم میں سے نہیں جو لوگوں کو عصبیت کی طرف بلاتا ہے۔‘‘

غرض اولادِ آدم کی حیثیت سے اسلام میں کسی شخص کو کسی دوسرے شخص پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اسلامی معاشرے میں انسان کے بنیادی حقوق سب کے لیے مساوی اور برابر ہیں۔ اسلامی نظام میں کسی کے بچوں کو اس لیے بہترین تعلیمی اور رہائشی سہولتیں میسر نہیں آ سکتیں کہ وہ بچے امیر المومنین کے بچے ہیں اور کسی کے بچے صرف اس لیے گلیوں میں خاک چھانتے نہیں پھر سکتے کہ وہ کسی غریب کی اولاد ہیں۔ اسلام میں ہر فرد کو پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ تمام امتیازات سے قطع نظر اپنا انسانی حصہ وصول کرے اور اپنے طبعی جسم کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی ضروریات کو حاصل کرے۔ ریاست کے قانون میں دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔

خاندانی اور نسلی افتخار سے منع کر دیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا:

’’اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ دوزخ سے چھٹکارا پانے کی کوشش کر، کیونکہ میرا رشتہ تجھ کو اللہ کے ہاں مفید نہیں ہو سکتا۔‘‘

لیکن اگر کوئی چیز کسی کے لیے وجۂ فضیلت بن سکتی ہے تو وہ ’’تقویٰ‘‘ ہے۔ چنانچہ اسلام کے تمام داعیوں نے اپنے اپنے دور میں اپنی اپنی قوم کو اللہ کی عبادت اور اس کے تقویٰ کی طرف ہی بلایا۔

’’اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارے لیے اور کوئی معبود نہیں۔‘‘

چنانچہ نبی ﷺ کو بھی یہی حکم ہوا:

’’اے چادر لپیٹنے والے کھڑا ہو اور لوگوں کو ڈرا۔‘‘

غرض اللہ کی عبادت اور بندگی ہی وہ ایک معیار ہے جو انسان اور انسان میں فرق پیدا کرتی ہے۔ بحیثیت انسان کے ایک کافر بھی اور ایک مومن بھی، ایک سرکش بھی اور ایک اطاعت گزار بھی، دونوں اللہ کے بندے ہیں۔ لیکن بحیثیت بندگی کے ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ عبادت کا مطالبہ صرف رکوع و سجود اور تسبیح و تہلیل تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اللہ کا مطالبہ ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ بھی اللہ کی اطاعت اور بندگی سے باہر نہ ہو اور وہ اللہ کی عین مرضی کے مطابق کام کرے، انفرادیت اور شخصیت ہی نہیں بلکہ اجتماعیت میں بھی انسان کی سیاست اور معاشرت کی گاڑی اسی کی اطاعت کی پٹڑی پر چلے۔

اس انفرادی اور اجتماعی عبادت کو بجالانے کے سلسلے میں جس سعی و جہد جس ذوق وشوق، جس عشق و محبت، جس وارفتگی اور جاں نثاری کا اظہار کسی شخص سے ہوگا، اسی قدر فضیلت کے ترازو میں اس کا وزن زیادہ نکلے گا۔

لیکن عبادت کو خالص اور زندگی کے ہر پہلو پر صبر و ثبات سے حاوی کرنے کے لیے جس چیز کی حقیقی ضرورت ہے وہ ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات پر پورا ہونا اس کی رزاقی پر مکمل بھروسا، اس کے عالم الغیب ہونے پر کامل یقین، اس کے رحیم و کریم ہونے پر اعلیٰ درجے کا توکل، اس کے مالکِ یوم الدین ہونے پر سچے دل سے پختہ یقین، اس کے احکام پر عمل کرنے کا انتہائی ذوق وشوق اور ان سے انحراف کرنے سے شدید خوف وہراس، اس کی حرام کردہ چیزوں سے کلی اجتناب اور اس کے اوامر پر عمل کرنے کی بے انتہا سعی، اس کی پسند کو دل سے اپنی پسند سمجھنا اور اس کی ناپسند کو اپنی روح کی گہرائیوں سے ناپسند کرنا، اس کی وفاداری کے مقابلے میں دوسری تمام وفاداریوں کو ہیچ سمجھنا اور اس کی اطاعت کو تمام اطاعتوں پر حاوی کر دینا۔ غرض ایمان کی ان ٹھوس بنیادوں پر عمل کو استوار کرنا ہی حقیقی مسلم ہونا ہے۔ اللہ کے حکم کے تحت ہی کسی سے جڑ جانا اور اسی کے حکم کے تحت کسی سے کٹ جانا اور انسانی عمل کے ہر گوشے سے اس بات کا اظہار ہونا کہ اس کے دل و دماغ کے کسی کونے میں بھی غیر اللہ کی محبت اور اطاعت کا کوئی بت باقی نہیں رہا ہے۔ مسلم ہونے کی ان ضروری شرائط کے ساتھ جب اللہ کے ڈر اور خوف کا اضافہ ہو جائے کہ انسان ہر دم اس کے احکام پر عمل کرنے کے لیے کمربستہ رہے۔ اس کے ہر فعل سے مکمل اطاعتِ الٰہی کا اظہار ہو، اس میں اللہ کے ہاں جوابدہی کا احساس ایک جیتا جاگتا جذبہ اور منہ بولتی حقیقت بن جائے۔ اس کی حس اتنی تیز ہو کہ وہ اللہ کے حکم سے خفیف سے خفیف غیر شعوری انحراف کو بھی اپنے نفس کی تہہ میں جانچ لے اور اسے وہیں ختم کر دینے پر آمادہ رہے۔ وہ پوری ذمہ داری سے اپنی زندگی کا بار بار جائزہ لے اور ہر گھڑی محاسبہ کرے کہ اس کی کوئی حرکت منشائے الٰہی کے خلاف نہ ہو تو اسی کیفیت کا نام تقویٰ ہے اور اسی کیفیت میں اضافے کے لیے فرمایا گیا ہے۔ ان اکرمکم عنداللہ اتقکم۔ اسی تقویٰ کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے معیارِ فضیلت قرار دیا ہے اور اسی کیفیت کو سند بزرگی عطا کی گئی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا:

’’اللہ کی ناراضی سے بچو، جو اللہ کے غضب سے ڈرتا ہے وہ پورا پورا کامیاب ہوا۔ پرہیزگاری مراتب کو بلند کرتی ہے۔‘‘

پھر فرمایا:

حضور ﷺ کے برپا کردہ اسلامی انقلاب کے پیشِ نظر صالح افراد کو چن چن کر اوپر لانا ضروری تھا تاکہ وہ دنیا میں اصلاح کریں، امن قائم کریں اور انسانوں کو انسانیت کا سبق دیں۔ تقویٰ کے اس معیار پر اگر ایک حبشی بھی پورا اترتا تھا تو وہی اوپر آنے کا حقدار قرار پاتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

’’سنو! اگر تم پر نکٹا حبشی بھی امیر بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے مطابق تمہیں چلائے تو اس کی بات ماننا اور اطاعت کرنا۔‘‘

اسی معیار کے پیش نظر آپؐ نے کسی فاجر کی قیادت قبول کرنے سے منع فرما دیا:

’’کوئی اُجڈ گنوار کسی مہاجر کا امام نہ بنے اور نہ کوئی فاجر شخص کسی پارسا مومن کا۔‘‘

قرآن میں فرمایا:

’’اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی دوست اور محبوب نہ رکھو، اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو محبوب رکھیں اور تم میں سے جو کوئی ان کو محبوب رکھے گا، وہ ظالموں میں شمار ہوگا۔‘‘ (القرآن)

مزید فرمایا گیا:

’’جو اپنے عہد کو پورا کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں تو اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔‘‘

مزید فرمایا گیا:

’’اے محمد! کہو، میری نماز اور میرے تمام مراسم عبودیت، میرا مرنا، میرا جینا سب کچھ اللہ کے لیے ہے۔ اور سب سے پہلے میں اس کی اطاعت میں سرِ تسلیم خم کرتا ہوں۔‘‘

مالک نے مزید حکم دیا:

’’اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور یاد رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا

ہے۔'' (سورۃ البقرہ)

حضور ﷺ کی معرفت ملنے والے یہ احکام انسان کو اس کے حقیقی معیارِ فضیلت سے آگاہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس معیار سے ہٹ کر اگر کوئی شخص یہ سمجھے بیٹھا تھا کہ وہ فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے اسے جہنم کی آگ نہ چھوئے گی یا فلاں بزرگ سے اس کا رشتہ ہے اس لیے وہ اسے چھڑا لیں گے تو اس قسم کا فالج زدہ تقویٰ شاید ہی اللہ کی میزانِ عدل میں کوئی وزن پا سکے۔ اصل تقویٰ تو وہی ہے کہ انسان کی زندگی کا اندر اور باہر ان حدود کے اندر رہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مقرر فرما دی ہیں۔ اور ایسا ہی تقویٰ آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو سکھایا تھا۔

چنانچہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابیؓ بن کعب سے تقویٰ کا مفہوم پوچھا، انہوں نے فرمایا:

''امیر المومنین آپ کسی ایسے راستے سے گزرے ہیں جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں؟''

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''ہاں''

حضرت ابیؓ نے پوچھا: ''آپ وہاں سے کیسے گزرتے ہیں؟''

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''دامن کو سمیٹ کر اور بچا کر گزر جاتا ہوں۔''

حضرت اُبیؓ نے فرمایا: ''بس یہی تقویٰ ہے۔''

گویا تقویٰ یہ ہے کہ انسان اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچ بچ کر حدودِ شریعت کے اندر رہتا ہوا زندگی گزارے۔ اس طرح اسلام نے اپنے نئے معیار فضیلت پر جو سوسائٹی تعمیر کی، اس میں ایران کے سلمان فارسیؓ بھی تھے جو اپنے آپ کو ابن اسلام کہتے تھے اور جن کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ سلمانؓ ہم اہل بیت میں سے ہیں۔ ان میں باذانؓ بھی تھے جن کا نسب شاہان ایران سے جاملتا تھا۔ ان میں حبشہ کے بلالؓ بھی تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ:

''بلال ہمارے آقا کے غلام اور ہمارے آقا ہیں۔''

ان میں روم کے صہیبؓ بھی تھے جنہیں حضرت عمرؓ نے اپنی جگہ امامت کے لیے کھڑا کیا تھا۔ ان میں حضرت ابوحذیفہؓ کے غلام حضرت سالمؓ بھی تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا تھا:

''آج وہ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلافت کے لیے نامزد کرتا۔''

ان میں زیدؓ بن حارثہ ایک غلام بھی تھے جن سے رسول کریم ﷺ نے اپنی پھوپھی کی لڑکی کو بیاہ دیا تھا۔ ان میں حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ بھی موجود تھے جنہیں رسول کریم ﷺ نے ایسے لشکر کا سردار بنایا تھا جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے صحابہؓ کبار موجود تھے، جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا کہ:

''اسامہ تجھ سے اور اس کا باپ تیرے باپ سے افضل ہے۔''

یہ تھا وہ معاشرہ جو اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کے اصول پر تعمیر ہوا تھا۔ اس اصول پر جب ایک اسٹیٹ وجود میں آئی تھی، تو اس کے کارکن، اس کے جج اس کے حاکم اور اس کے چپڑاسی تک بالکل مختلف نوعیت کے تھے۔ آج کا ایک بڑے سے بڑا جج بھی اپنے موجودہ اخلاق کے ساتھ اُس اسلامی عدالت کا کلرک اور چپڑاسی بننے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اسلام جانی بوجھی اچھائیوں اور نیکیوں کو معروف کا نام دے کر ان پر انسان کو اُکساتا ہے اور جو لوگ اس مقصد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں، انہیں بھلے آدمی اور متقی قرار دیتا ہے۔ اسی طرح وہ جانی بوجھی برائیوں کو منکر کا نام دے کر انسانوں کو ان سے روکتا ہے اور ان کا ارتکاب کرنے والوں کو بُرے لوگ اور فاسق و فاجر قرار دیتا ہے۔ یہی وہ میزانِ فضیلت ہے جو اسلام نے زمانے کے سامنے پیش کی تا کہ بنی نوع انسان اس میں اپنے آپ کو تول سکیں۔ اسی میں تول کر وہ اپنے حاکموں اور نمائندوں کو مقرر کریں اور اسی میں تول کر وہ کسی کو معزز قرار دیں اور کسی کو گرا ہوا سمجھیں۔ یہ میزان ہی مساواتِ انسانی کی بہترین ضمانت ہے۔

اسلام نے یہ اصول ہمیشہ کے لیے مقرر کر دیا کہ دنیا کے امن اور فلاحِ انسانیت کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اللہ سے ڈرنے والے اور آخرت میں جوابدہی کا پورا پورا احساس رکھنے والے لوگ سامنے آئیں۔ اور وہ لوگ پیچھے ہٹ کر رہیں جن کی ہوس کے سامنے فتنوں کے سارے دروازے کھلیں اور جن کے دماغ شیطان کا گھونسلا ہوں۔ حضور ﷺ نے دنیا کو تباہی سے بچانے کی یہی عملی تدبیر پیش فرمائی اور اس پر عمل کر کے دکھایا۔

حضور ﷺ کے اپنے قائم کردہ معاشرے میں عزت و ذلت اور فضیلت و مسکنت کے یہی پیمانے مقرر تھے اسی بدلے ہوئے معیار نے انسانیت کا معیار بدل ڈالا تھا اور لوگ معیارِ زندگی کی بجائے معیارِ اخلاق اور معیارِ انسانیت تلاش کرنے لگے تھے۔

(کتاب ''رسول اکرمؐ کی حکمت انقلاب'' سے انتخاب)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

اقبال عظیم

مدینے کا سفر ہے اور میں نم دیدہ نم دیدہ
جبیں افسردہ افسردہ قدم لغزیدہ لغزیدہ
چلا ہوں ایک مجرم کی طرح میں جانبِ طیبہ
نظر شرمندہ شرمندہ بدن لرزیدہ لرزیدہ
کسی کے ہاتھ نے مجھ کو سہارا دے دیا ورنہ
کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ
بصارت کھو گئی لیکن بصیرت تو سلامت ہے
مدینہ میں نے دیکھا ہے مگر نادیدہ نادیدہ
مدینہ جا کے ہم سمجھے تقدس کس کو کہتے ہیں
ہوا پاکیزہ پاکیزہ فضا سنجیدہ سنجیدہ
غلامانِ محمدؐ اس طرح آئیں گے محشر میں
سرِ شوریدہ شوریدہ دل گرویدہ گرویدہ
وہی اقبالؔ جس کو ناز تھا کل خوش مزاجی پر
فراقِ طیبہ میں رہتا ہے اب رنجیدہ رنجیدہ

ربیع الاوّل کیسے منائیں؟

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

ماہِ ربیع الاول نبی کریم ﷺ سے منسوب ہے اور ہمیں آپ ﷺ سے نسبت ہے۔۔ کیا ہم نے یہ نسبت پہچانی؟

یہ نسبت ہی ہے کہ جس نے آپ ﷺ کی صحبت گھڑی دو گھڑی پالی وہ صحابی ؓ ہو گئے۔۔ اللہ ان سے راضی، وہ اللہ سے راضی! جس نے آپ ﷺ کو دیکھنے والے کو پالیا وہ تابعی ہو گئے۔ جس نے تابعی سے شرفِ صحبت حاصل کیا وہ تبع تابعی ہو گئے! تین ادوار تک یہ نسبت یوں چلی! ہم اسی نسبت کی بنا پر آپ ﷺ کے امتی ٹھہرے! ان کی دہلیز چھو کر جو پتھر تھا پل بھر میں پارس ہوا۔۔!

لیکن آج۔۔؟ ربیع الاوّل کا چاند اُمت کی حالتِ زار پر دھواں دھواں ہے۔ ہمارے اعمال کی سیاہی اسے گہنائے دے رہی ہے۔ یہ ماہِ مبارک اپنے احتساب کا مہینہ ہے۔ مجھے آپ ﷺ سے کتنی محبت ہے؟ ہر دعوائے محبت اپنا ثبوت مانگتا ہے، خراج طلب کرتا ہے۔ محبوب کے رنگ میں رنگ جانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ غیر کی طرف متوجہ ہونا تو دُور کی بات، یہ تک گوارا نہیں کرتا کہ آنکھ اُٹھا کر بھی غیر کو دیکھے!

یہ تیرے عشق کے دعوے، یہ جذبۂ بیمار
یہ اپنی گرمیٔ گفتار، پستیٔ کردار
رواں زبانوں پہ اشعار، کھو گئی تلوار
حسین لفظوں کے انبار، اُڑ گیا مضموں!

آیئے اس دعوائے محبت کو عمل کی کسوٹی پر پرکھیں: دیکھیں! ہم تعلیم کے بخار میں مبتلا ہیں۔ دن رات کتابیں پڑھ پڑھ کر ڈھیر لگا رکھے ہیں۔ کہیے، سیرتِ نبوی ﷺ پر کتنی کتابیں پڑھیں؟ ہم نے، ہمارے بچوں نے؟ جو ہر مسلمان کے لیے قرآن کے بعد تعلیم کی دوسری اہم ترین کتاب ہے۔ جسے پڑھے، جانے، مانے بغیر یہ دنیا بھی اندھیر، اگلی بھی۔ قبر میں اترتے ہی آپ ﷺ کے بارے میں پوچھا جائے گا، اگلی زندگی کے اس پہلے انٹرویو میں جو فرشتے لیں گے! حدیث کے مطابق دنیا کی زندگی قطرے کے برابر ہے (تقریباً 70، 80 سال) جبکہ آخرت کی زندگی سمندر کے برابر ہے، کبھی نہ ختم ہونے والی!)۔ یہ زندگی نجانے کب اللہ کے حکم پر ختم ہو جائے۔ قرآن، حدیث کی رہنمائی میں چلیں اور ذرا آگے کی زندگی میں جھانکیں۔۔ جہاں کی کرنسی روپیہ، ڈالر، ریال نہیں۔۔ اعمال ہیں!

''وہ دیکھو موت کی جان کنی حق لے کر آ پہنچی۔ یہی وہ چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔'' (ق:19)

اب بندہ اکیلا حوالۂ قبر ہوگا۔۔ محبوب ترین رشتے مٹی ڈال کر گھر چلیں جائیں گے، تنہا چھوڑ کر، پلاؤ قورمہ کھانے! ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟ انٹرویو! دو فرشتے منکر نکیر پوچھیں گے تین سوال۔۔ پہلا: مَن رَّبُّكَ؟ (تیرا رب کون ہے؟) دوسرا: مَا دِينُكَ؟ (تیرا دین کیا ہے؟) تیسرا: یہ شخص کون ہے جو تمہارے درمیان مبعوث کیا گیا؟ یہ شناختی کارڈ کا فارم پُر کرنے کے سوال نہیں ہیں کہ کھٹا کھٹ بلا عمل بھر دیں۔ یہ عمل کی دنیا میں اللہ کو رب بنا کر اور اسلام کو اپنا دین (مکمل طرزِ زندگی) بنا کر ہی دیئے جا سکتے ہیں۔ من مانی، بے دین زندگی گزارنے والا ان سوالات کے جواب میں چیخے گا: ''ھاہ ھاہ لَا اَدرِی!'' (ہائے ہائے، میں نہیں جانتا!) تیسرے سوال پر کہے گا: ''میں ان ﷺ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا، دوسرے لوگ جو کہتے تھے، میں بھی وہی کہتا تھا۔'' صحیح بخاری، صحیح مسلم میں روایت کردہ حدیث کافر اور منافق دونوں کا ایک ہی انجام بتا رہی ہے۔ کیا ہم قرآن وسنت سے بے نیاز زندگی گزار سکتے ہیں؟ یہ وہ زیرِ زمین حقائق ہیں جو خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، الصادق الامین نبی ﷺ نے پوری سچائی سے ہم تک پہنچا دیئے۔ اور آخرت کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بتا دیا کہ:

''ظالم انسان ہاتھ چبائے گا اور کہے گا: کاش میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا۔ ہائے میری کم بختی! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس کے بہکاوے میں آ کر میں نے وہ نصیحت نہ مانی جو میرے پاس آئی تھی۔''
(الفرقان: 27 تا 29)

اور یہ بھی کہ:

''پھر سوچو کہ اس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر آپ (ﷺ) کو گواہ کی طرح کھڑا کریں گے۔ اس وقت وہ سب لوگ جنہوں نے رسول کی بات نہ مانی اور اس کی نافرمانی کرتے رہے، تمنّا کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائیں۔ وہاں یہ اپنی کوئی بات اللہ سے چھپا نہ سکیں گے۔'' (النساء: 41، 42)

یہ ہے رسول کی نافرمانی کا نتیجہ۔۔ کیا ہم اس منظر کا حصہ بننا چاہیں گے؟ ہرگز نہیں! تو پھر لوٹیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی طرف! اللہ تعالیٰ بار بار قرآن میں یہی تو حکم دے رہا ہے: ﴿اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول﴾ ''اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (ﷺ) کی'' کیسے؟ پڑھیے اور قرآن وسنت کا ہاتھ تھام کر نئی زندگی شروع کیجیے!

نبی کریم ﷺ کو سب سے پہلا عمل، جو جبرائیل ؑ نے خود تشریف لا کر سکھایا، وہ وضو اور نماز تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ ؓ کو بھی عین اسی طرح سکھایا جیسے آپ ﷺ کو سکھایا گیا تھا۔ ہماری تعلیم و تربیت براہِ راست اللہ رب العالمین نے جبرائیل امین ؑ اور محمد ﷺ سے کروائی ہے۔ آج ہم گورے سے تعلیم و تربیت پانے میں فخر محسوس کرتے ہیں جو خنزیر خور، شراب نوش، روحانی اعتبار سے اندھا، گونگا، بہرہ، لولا، لنگڑا ہے! مدینہ کی اسلامی ریاست قائم کرتے ہی، ہجرت کے فوراً بعد، آپ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کی۔

ہمارا، ہمارے بیٹوں کا، مسجد سے تعلق کتنا اور کیسا ہے؟ (مرد، زنانہ نماز نہیں پڑھتا۔ اس کی نماز مسجد ہی میں لازم ہے!) کیا ہم سب پانچ وقت فرض نماز ادا کرتے ہیں؟ قرآن آپ ﷺ کے سینۂ مبارک پر اترا اور ہر مسلمان پر اس کی تعلیم حاصل کرنا فرض ہے۔ کیا ہمارا پورا گھرانہ قرآن کی روزانہ تلاوت کرتا ہے؟ اس کا ترجمہ، تفسیر کا علم اس نے حاصل کر لیا ہے؟ قرآن کے احکام، اوامر ونواہی، حلال وحرام، اپنے مستقبل (جنت یا خدانخواستہ دوزخ) سے کما حقہ واقف ہے؟ عمل کی دنیا میں ''قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن'' پر کس درجے پورا اترتے ہیں؟ ان پڑھ ہیں یا پڑھے لکھے؟ (قرآن کی خواندگی اور علم ہی اصل معیار ہے) پاس ہیں یا فیل (خدانخواستہ)؟ انہی معیارات پر اپنا جائزہ لیجیے! احتساب کیجیے! یہ فرائض کی بات ہے صرف: نماز، قرآن، روزہ،

زکوٰۃ، حج، ان سب کی پابندی کر رہے ہیں؟

پردہ بھی عورت کے لیے فرض ہے! سنت یا نفل یا مستحب نہیں ہے۔ یہ دخولِ جنت، اللہ کے ہاں قبولیت کا یونیفارم ہے۔ بچیوں کے سکول یونیفارم کی طرح کیا پردے کی پابندی کی جا رہی ہے؟ جس طرح سکول من مانے یونیفارم میں نہیں جا سکتے اسی طرح ربّ تعالیٰ نے عورت کے گھر سے باہر نکلنے کی حدود و قیود متعین کر دی ہیں۔

نبی ﷺ سے محبت ہمارے حلیے اور سراپے سے سوال کرتی ہے۔ آپ مرد ہیں، کیا آپ صبح اٹھ کر روزانہ نبی ﷺ کی سنت، داڑھی کو نوچ کاٹ کر نالی میں بہائے بغیر (استغفر اللہ!) گھر سے نہیں نکلتے؟ کیا آپ جانتے ہیں کہ بغیر داڑھی کا چہرہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے چہرہ مبارک پھیر لیا تھا؟ یہ تمام اعمال جو گنوائے گئے یہ تو صرف ایک ابتدائی بنیادی تقاضا ہے۔ اصلاً تو میں اور آپ رہتی دنیا تک کے لیے، جاہل اُجڈ دنیا کے لیے آپ ﷺ کے پیغام سے لاعلم، تمام کفار کے لیے منتخب شدہ امتی ہیں۔ ہمارے ذمے پورا اسلام، بلا تجزیہ و تقسیم (کیا قرآن و سنت کا کوئی ایک حکم بھی ہم چھوڑنے یا چھیڑنے کی جرأت کر سکتے ہیں؟) خود پڑھنا، سمجھنا، عمل میں لانا فرض ہے۔ اسے دنیا تک پہنچانا بھی ہمارے ذمے ہے:

''اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو (قرآن و سنت) اور بدی (غیر اسلام) سے روکتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' (آلِ عمران: 110)

اس کا جواب ہم نے قیامت کے دن اللہ کے حضور فرداً فرداً دینا ہے۔ کیا یہ تیاری ہمارے تعلیمی اداروں نے، ہمارے گھر والوں نے کروا دی ہے؟ ہم سب نے باری باری گھر (قبر، آخرت) اکیلے جانا ہے اور حساب دینا ہے۔ پھر دنیا کی کارگزاری پر ہی یا دائمی جنت ہے یا جہنم! دنیا صرف امتحان گاہ ہے، عیش گاہ نہیں (جیو جیسے چاہو، مزے ہی مزے، کی کوئی گنجائش نہیں!)

قرآن ہماری نصابی کتاب (ٹیکسٹ بک) ہے! محمد ﷺ ہمارے محبوب نبی، ہمارے استاد ہیں! ابن ماجہ کی روایت ہے: ((اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا)) ''میں ایک معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' استاد کس لیے آتا ہے؟ کہ ہم اس کی سالگرہ منائیں؟ یا ہم اس سے حرف حرف تعلیم حاصل کر کے، پریکٹیکل سیکھ کر امتحان میں سرخرو اور کامیاب ہو سکیں! آپ ﷺ تشریف لائے، ہمیں بے ہدایت بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں کی طرح جینے سے بچا کر ہدایت کی طرف لانے کے لیے! بے قرآنی زندگی سے نکال کر قرآنی زندگی کا نور اور پاکیزگی عطا کرنے کے لیے! ناپاک رزق سے پاک رزق، فلموں گانوں موسیقی کی بے حیائی اور رب کی ناراضگی سے محفوظ رکھنے کے لیے! اور بے پردگی سے حیا کے اُجالوں میں، ظلم و ناانصافی کی دنیا سے اسلام کے عدل و انصاف تک ہمیں لانے کے لیے!

مہربان رب نے چھ ارب انسانوں میں سے چن کر ہمیں نکالا اور اپنے محبوب نبی ﷺ کی امت سے ہونے کا اعزاز بخشا۔ ہمارے لیے پاکیزہ زندگی اور آخرت میں جنت کی راہ آسان کر دی۔ کیا ہم صراطِ مستقیم پر پیدا ہو کر بس یونہی اس پر دھرنا دیے مر جائیں گے؟ یا جنت جانے کی کوئی تگ و دو بھی ہوگی؟ چلے بغیر منزل پر کون پہنچتا ہے؟ کیا لاہور جانے کے لیے موٹروے پر بیٹھ جانا کافی ہے؟ ہرگز نہیں! تو پھر اُٹھیے! سیرت کی کتاب سے نقشۂ زندگی دیکھیے! یہ نمونے کے طور پر چند کتب تجویز کی جاتی ہیں، مستند رہنمائی دینے والی:

1-سیرتِ مصطفیٰ ﷺ از مولانا محمد ادریس کاندھلوی
2-الرحیق المختوم از مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری
3-محسنِ انسانیت از نعیم صدیقی
4-سیرت خیر الانام از ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اللہ تعالیٰ نے یہ آفتاب ہدایت ﷺ ہماری زندگی کی جہالت، تاریکی دور کرنے کو روشن کیا:

''اے نبی ﷺ! ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر۔ بشارت دے دو ان لوگوں کو جو (تم پر) ایمان لائے ہیں کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔'' (الاحزاب:45تا47)

کیا ہم فضلِ ربی کی بشارت کے طلب گار ہیں؟ وابستہ ہو جائیں اللہ کے دامن سے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ﴾ (الحج:78) اس وابستگی اور محبتِ الٰہی پانے کے لیے: ''اے نبی ﷺ! لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔'' (آلِ عمران:31)

سو اللہ کی محبت (اور نجات) نبی ﷺ کی پیروی سے وابستہ ہے۔ زندگی گزارنے کا طریقہ نبی ﷺ سے سیکھیں، بجائے جہلاء، اللہ کے باغیوں کی پیروی کرنے کے! کیا ہم ان کفار سے پوچھیں کہ ہماری خواتین کے لباس کی حدود و قیود، طور اطوار کیا ہوں گے؟ تعلیم کیا ہوگی؟ بچے پہلے ہوں گے یا شادی پہلے؟ مغرب اتنا ہی ان پڑھ ہے! یہ بھی نہیں جانتا کہ جوڑا مرد اور عورت سے بنتا ہے یا مرد اور مرد سے؟ ان جاہلوں کی کسی تعلیمی کتاب میں خالق، ربّ تعالیٰ کا نام نہیں۔ نہ سائنس میں (جو در اصل اللہ کی تخلیقات کا علم ہے)، نہ قانون، نہ معاشرت، نہ معیشت، نہ سیاست میں۔ ہم جس علم کے وارث ہیں وہ شروع ہی اللہ کے نام سے ہوتا ہے۔ میرے پاک نبی ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی ہمیں مکمل علم سے آگاہی دیتی ہے:

''پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔'' (العلق:1،3تا5)

دنیا میں جو علم کسی کے پاس نہیں وہ ہمارے پاس ہے۔ بصورتِ قرآن اور تعلیماتِ نبوی ﷺ۔ اس گلوبل ولیج پر سراج منیر ﷺ۔ روشن چراغ، آفتاب ہدایت کی روشنی عام کرنا ہمارا فرض ہے۔ آگے کرسمس آنے کو ہے۔ اسی دوران ہیلووین بھی گزرے گا۔ مانگے تانگے کا کچھ نہ کچھ مناتے رہنے کے اس مزاج کی تصحیح کے لیے اللہ کی شدتِ غضب تشبہ بالکفار پر دیکھ لیجیے۔ ہم کن کی نقالی میں مبتلا ہیں؟ بجائے جہالت اور احساسِ کمتری کے ساتھ کرسمس منانے کے، صرف سُورہ مریم کی یہ آیات پڑھ لیجیے:

''وہ کہتے ہیں کہ رحمان نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ سخت بے ہودہ بات ہے جو تم گھڑ لائے ہو۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر جائیں اس بات پر کہ لوگوں نے رحمان کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا! رحمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ زمین اور آسمانوں کے اندر جو بھی ہے، سب اس کے حضور بندوں کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں۔ سب پر وہ محیط ہے، اور اس نے ان کو شمار کر رکھا ہے۔ سب قیامت کے دن اس کے سامنے فرداً فرداً حاضر ہوں گے۔'' (مریم:88تا95)

سو اُٹھیے اور ایک نئے انداز سے ربیع الاوّل منائیے! ہماری زندگی کا ہر دن ہی نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے دین کے لیے وقف ہوگا۔ کیونکہ:

حق نے عالم اس صداقت کے لیے پیدا کیا
اور مجھے اس کی حفاظت کے لیے پیدا کیا

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ غیروں کی نظر میں

فرید اللہ مروت

مقام مصطفیٰ ﷺ وشانِ مصطفیٰ ﷺ وہ مقام ہے جس کی وسعت و رفعت کا اندازہ لگانا محال و ناممکن ہے۔ بقول شاعر ؏

خدا کا حسن انتخاب لاجواب

ہمارے نبی ﷺ کی شان و مقام مانتی تو ساری کائنات ہے، کیا نباتات، کیا جمادات، کیا بحروبر، کیا شمس و قمر، کیا چرند پرند، کیا حور و ملائک، کیا جن و بشر، کیا بہار و خزاں، کیا آسمان و زمین، کیا اپنے و پرائے، غرض کائنات کی ہر ہستی مقامِ مصطفیٰ ﷺ اور پیغمبر اسلام کی تہذیب، امانت داری، دیانت، اعلیٰ اخلاق اور مساوات کا اقرار کرتے ہیں مگر کائنات کی کوئی بھی ہستی یا کل کائنات بھی مل کر مکمل طور پر شان اور مقامِ مصطفیٰ ﷺ بیان کر دینے سے قاصر ہے۔ مسلمان تو اسے مانتے ہی ہیں لیکن غیر مسلم بھی محبوب خدا ﷺ کی عظمت و شان کو بیان کرتے ہیں۔ کفار مکہ سے لے کر آج چودہ سو سال گزر جانے کے بعد تک بے شمار غیر مسلموں نے زبانی، تحریری، شعری اور ہر انداز میں مقامِ مصطفیٰ ﷺ کے مقام کو تسلیم کیا ہے۔ ایک غیر مسلم نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ؎

ہو جائے عشق اس میں چارہ تو نہیں
فقط مسلم کا محمد ﷺ پہ اجارہ تو نہیں

مشرق و مغرب کے بڑے بڑے محقق، اصحاب فراست و لیاقت اور مفکرین نے اپنی تحریروں میں سرور کائنات ﷺ کے متعلق جو اعتراف حقیقت کیا، انہی کے الفاظ میں پیش خدمت ہے۔

ایک ہندو پروفیسر راما کرشنا راؤ آنحضرت ﷺ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتا ہے:

''آنحضرت ﷺ کے کُل تک تو پہنچنا مشکل ہے البتہ یہ محمدؐ جرنیل ہیں، یہ محمدؐ بادشاہ ہیں، سپہ سالار ہیں، تاجر ہیں، داعی ہیں، فلاسفر ہیں، مدبر ہیں، خطیب ہیں، مصلح ہیں، یتیموں کی پناہ گاہ ہیں، عورتوں کے نجات دہندہ ہیں، جج ہیں، ولی ہیں۔ یہ تمام اعلیٰ اور عظیم الشان کردار ایک ہی شخصیت کے ہیں۔ ہر شعبہ زندگی کے لیے آپؐ کی حیثیت مثالی ہے۔''

فرانس کے عظیم **جرنیل نپولین بونا پارٹ** نے حضور کریم ﷺ کی ذات کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

''محمد ﷺ دراصل اصل سالار اعظم تھے۔ آپؐ نے اہل عرب کو درس اتحاد دیا۔ ان کے آپس کے تنازعات و مناقشات ختم کیے۔ تھوڑی ہی مدت میں آپؐ کی امت نے نصف دنیا کو فتح کر لیا۔ 15 سال کے قلیل عرصے میں لوگوں کی کثیر تعداد نے جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش سے توبہ کر لی۔ مٹی کی بنی ہوئی دیویاں مٹی میں ملا دی گئیں۔ بت خانوں میں رکھی ہوئی مورتیوں کو توڑ دیا گیا۔ حیرت انگیز کارنامہ تھا آنحضرت ﷺ کی تعلیم کا کہ یہ سب کچھ صرف پندرہ ہی سال کے عرصے میں ہو گیا۔ جبکہ حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پندرہ سو سال میں اپنی اُمتوں کو صحیح راہ پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے تھے۔ حضرت محمد ﷺ عظیم انسان تھے۔ جب آپؐ دنیا میں تشریف لائے اس وقت اہل عرب صدیوں سے خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ دنیا کی سٹیج پر دیگر قوموں نے جو عظمت و شہرت حاصل کی، اس قوم نے بھی اس طرح ابتلاء و مصائب کے دور سے گزر کر عظمت حاصل کی اور اس نے اپنی روح اور نفس کو تمام الائشوں سے پاک کر کے تقدس و پاکیزگی کا جوہر حاصل کیا۔''

> مسٹر ایڈورڈ موئٹے کہتے ہیں:
> ''آپؐ نے سوسائٹی کے تزکیہ اور اعمال کی تطہیر کے لیے جو اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے وہ آپؐ کو انسانیت کا محسن اوّل قرار دیتا ہے۔''

یورپ کا **مشہور عالم ٹامس کارلائل** حضور ﷺ کی صداقت کا ان الفاظ میں اظہار کرتا ہے۔

''صحرائے عرب کی یہ عظیم شخصیت جنہیں دنیا ''محمد ﷺ'' کے نام سے جانتی ہے، پاکیزہ روح، شفاف قلب و بلند نظری اور مقدس خیالات رکھتا تھا۔ جن کو خدا ہی نے حق و صداقت کی اشاعت کے لیے پیدا کیا۔ ہستی کا بھید ان پر کھل گیا تھا۔ آپؐ کا کلام خود خدا کی آواز تھا۔''

موہن چند کرم داس گاندھی آنحضرت ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں:

''اسلام نے تمام دنیا سے خراج تحسین وصول کیا۔ جب مغرب پر تاریکی اور جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ اس وقت مشرق سے ایک ستارہ نمودار ہوا۔ ایک روشن ستارہ جس کی روشنی سے ظلمت کدے منور ہو گئے۔ اسلام دین باطل نہیں ہے، ہندوؤں کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ وہ بھی میری طرح اس کی تعظیم کرنا سیکھ جائیں۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ اسلام نے بزور شمشیر سرفرازی اور سربلندی حاصل نہیں کی بلکہ اس کی بنیاد نبی کا خلوص، خودی پر آپؐ کا غلبہ، وعدوں کا پاس، غلام، دوست اور احباب سے یکساں محبت۔ آپؐ کی جرأت اور بے خوفی اللہ اور خود پر یقین جیسے اوصاف۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ اس کی فتوحات میں یہی اوصاف حمیدہ شامل ہیں اور یہی وہ اوصاف ہیں جن کی مدد سے مسلمان تمام پابندیوں اور رکاوٹوں کے باوجود پیش قدمی کرتے چلے گئے۔''

روسی **فلاسفر کاؤنٹ ٹالسٹائی** کہتا ہے:

''محمد ﷺ عظیم الشان مصلحین میں سے ہیں، جنہوں نے اتحادِ امت کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ ان کے فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ انہوں نے وحشی انسانوں کو نورِ حق کی جانب ہدایت کی اور ان کو اتحاد، صلح پسندی اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے والا بنا دیا اور ان کے لیے ترقی و تہذیب کے راستے کھول دیئے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اتنا بڑا کام صرف ایک فردِ واحد کی ذات سے ظہور پذیر ہوا۔''

سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں لکھتا ہے:

''ہمیں بلاتکلف اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ (تعلیم نبویؐ) نے ان تاریک جماعت کو ہمیشہ کے

لیے جزیرہ نمائے عرب سے باہر نکال دیا جو صدیوں سے اس ملک پر چھائے ہوئے تھے، بت پرستی نابود ہوگئی، توحید اور خدا کی بے پناہ رحمت کا تصور محمد ﷺ کے متبعین کے دلوں میں گہرائیوں اور زندگی کے اعماق میں جاگزیں ہوگئی، معاشرتی اصلاحات کی بھی کوئی کمی نہ رہی۔ ایمان کے دائرہ میں برادرانہ محبت، یتیموں کی پرورش، غلاموں سے احسان و مروت جیسے جوہر نمودار ہو گئے۔ امتناع شراب میں جو کامیابی اسلام نے حاصل کی اور کسی مذہب کو نصیب نہیں ہوئی۔''

جوزف جے نوٹن رقم طراز ہیں:

''حضرت محمد ﷺ کا مذہب مطلق العنان روس کے لیے بھی اتنا ہی موزوں ہے جتنا جمہوریت پسند متحدہ امریکہ کے لیے وہ مناسب و مفید ہے۔ اسلام ایک عالمگیر حکومت کی نشاندہی کرتا ہے اور اسلام کی کتاب قرآن کا موضوع، زندگی ہے اور اس میں پوری انسانی زندگی کو سمیٹ دیا گیا۔''

موتی لال نہرو کہتے ہیں:

''سچی توحید نے مسلمانوں کے اندر خوف و جرأت، بے باکی اور شجاعت و بسالت پیدا کردی اور عزم و ارادوں میں پختگی اس درجہ پیدا کردی کہ پہاڑوں کو اپنی بلندی اور مضبوطی ہیچ نظر آنے لگی۔ سمندروں کا جوش ٹھنڈا ہوگیا۔ توحید کی ایسی تعلیم آپؐ نے مسلمانوں کو دی جس سے ہر قسم کے توہمات کی جڑیں کھوکھلی ہوگئیں۔ ہر قسم کا خوف دلوں سے نکل گیا اور یہ سب کس کے سبب تھا۔ اس شخصیت کے جس کو مسلمانوں نے نبی آخر الزمان کہا اور دوسروں نے اس کو بنی نوع انسان کا ایک عظیم رہنما جانا۔''

مشہور فرانسیسی مورخ **موسیو سیدیو** نبی کریم ﷺ کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

''محمدؐ یوں تو محض اُمی تھے۔ مگر عقل و رائے میں یگانہ روزگار تھے۔ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے اور اکثر خاموش رہتے۔ طبیعت کے حلیم، خلق کے نیک، اکثر اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے۔ لغویات کبھی زبان سے نہ نکالتے۔ مساکین کو دوست رکھتے۔ کبھی فقیر کو فقر کے سبب سے حقیر نہ جانتے۔ نہ کسی بادشاہ سے اس کی بادشاہی کے سبب سے خوف کھاتے تھے۔''

جارج برناڈ شا لکھتا ہے:

''میں نے رسول اکرم ﷺ کے دین کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ یہ الزام بے بنیاد ہے کہ آپؐ عیسائیوں کے دشمن تھے۔ میں نے اس حیرت انگیز شخصیت کی سوانح مبارک کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ میری رائے میں آپؐ پورے بنی نوع انسان کے محافظ تھے۔''

ایس مارگولیوتھ رقم طراز ہے:

''آنحضرت ﷺ کی دردمندی کا دائرہ انسان ہی تک محدود نہ تھا بلکہ انہوں نے جانوروں پر بھی ظلم و ستم توڑنے کو بہت برا کہا ہے۔''

مسٹر ایڈورڈ مونٹے کہتے ہیں:

''آپؐ نے سوسائٹی کے تزکیہ اور اعمال کی تطہیر کے لیے جو اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے وہ آپؐ کو انسانیت کا محسن اوّل قرار دیتا ہے۔''

ڈاکٹر جی ویل نے حضور اکرم ﷺ کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے:

''بے شک حضرت محمد ﷺ نے گمراہوں کے لیے ایک بہترین راہ ہدایت قائم کی اور یقیناً آپؐ کی زندگی نہایت پاک صاف تھی۔ آپؐ کا لباس اور آپؐ کی غذا بہت سادہ تھی۔ آپؐ کے مزاج میں بالکل تمکنت نہ تھی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے متبعین کو تعظیم و تکریم کے رسمی آداب سے منع فرماتے تھے۔ آپؐ نے اپنے غلام سے کبھی وہ خدمت نہ لی، جس کو آپؐ خود کر سکتے تھے۔ آپؐ بازار جا کر خود ضرورت کی چیزیں خریدتے، اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے، خود بکریوں کا دودھ دوہتے اور ہر وقت ہر شخص سے ملنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ آپؐ بیماروں کی عیادت کرتے تھے اور ہر شخص سے مہربانی کا برتاؤ فرماتے تھے۔ آپؐ کی خوش اخلاقی، فیاضی اور رحم دلی محدود نہ تھی۔ غرض آپؐ قوم کی اصلاح کی فکر میں ہر وقت مشغول رہتے تھے۔ آپؐ کے پاس بے شمار تحائف آتے تھے لیکن بوقت وفات آپؐ نے صرف چند معمولی چیزیں چھوڑیں اور ان کو بھی مسلمانوں کا حق سمجھتے تھے۔''

لیفٹیننٹ کرنل سالیکس کہتے ہیں:

''حضرت محمد ﷺ کے حالات زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی انصاف پسند شخص ان کی اولوالعزمی، اخلاقی جرأت، نہایت خلوص نیت، سادگی اور رحم و کرم کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر انہی صفات کے ساتھ استقلال و عزم وحق پسندی اور معاملہ فہمی کی قابلیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ آپؐ نے اپنی سادگی، لطف و کرم اور اخلاق کو بلا خیال و مرتبہ قائم رکھا۔ اس کے علاوہ شروع سے آخر تک وہ اپنے آپ کو ایک بندۂ خدا اور پیغمبر خدا بتلاتے رہے، حالانکہ وہ اس سے زیادہ کا دعویٰ کر کے اس میں کامیاب ہو سکتے تھے۔''

ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے اپنی کتاب "The Hundred" میں تاریخ کی 100 ایسی شخصیتوں کا ذکر کیا جنہوں نے دنیا میں انمٹ نقوش چھوڑے۔ اس عیسائی نے 100 ہستیوں میں سب سے پہلے نمبر پر نبی آخر الزمان ﷺ کا مبارک تذکرہ کیا۔ وہ لکھتا ہے:

''میں نے ان سو آدمیوں کا تذکرہ کیا جنہوں نے تاریخ کو سب سے زیادہ متاثر کیا، ان میں سب سے پہلے محمدؐ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے بعض لوگ حیران ہوں گے لیکن اس کی میرے پاس ایک ٹھوس دلیل موجود ہے۔ کائنات میں جتنی بھی ہستیاں آئیں، اگر ان کے حالات پڑھتے ہیں تو وہ ہمیں اپنے بچپن سے لڑکپن میں کسی نہ کسی استاد کے سامنے بیٹھے تعلیم پاتے نظر آتے ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان تمام ہستیوں نے پہلے مروجہ تعلیم حاصل کی اور پھر اس کو بنیاد بنا کر انہوں نے زندگیوں میں کچھ اچھے کام کر دکھائے لیکن دنیا میں فقط ایک ہستی ایسی نظر آتی ہے کہ جس کی زندگی کی تفصیلات کو دیکھا جائے تو پوری زندگی کسی کے سامنے شاگرد بن کر بیٹھی نظر نہیں آتی۔ وہ ہستی محمدؐ ہیں۔ یہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے دنیا سے علم نہیں پایا بلکہ دنیا کو ایسا علم دیا کہ جیسا علم نہ پہلے کسی نے دیا اور نہ بعد میں کوئی دے گا۔ لہٰذا اس بات پر میرے دل نے چاہا کہ جس شخصیت نے ایسی علمی خدمات سرانجام دی ہوں، میں غیر مذہب کا آدمی ہونے کے باوجود ان کو تاریخ کی سب سے اعلیٰ شخصیات میں پہلا درجہ عطا کرتا ہوں۔''

ریمنڈ لیروگ آنحضرت ﷺ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتا ہے:

''نبی عربی ﷺ اس معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے بانی ہیں۔ جس کا سراغ اس سے قبل تاریخ میں نہیں ملتا۔ انہوں نے ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھی جسے تمام کرۂ ارض پر پھیلنا تھا اور جس میں سوائے عدل اور احسان کے اور کسی قانون کو نہیں ہونا تھا۔ ان کی تعلیم تمام انسانوں کی مساوات، باہمی تعاون اور عالمگیر اخوت تھی۔''

میرے دوستو!

جب کافر اپنی زبان سے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے یقیناً انسانیت کے اوپر بڑا احسان فرمایا ہے اور نبی اکرم ﷺ کی ذات کو ایک ایسی فضیلت حاصل ہے جو کسی دوسری ہستی کو حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم محبوب ﷺ خدا کی تعلیمات پر دل و جان سے عمل کریں تاکہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکیں۔

حقیقی عزت والے ﷺ

حافظ محمد مشتاق ربانی

لفظ عزت اُردو میں احترام کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جبکہ عربی زبان میں احترام کے ساتھ ساتھ وسیع تر معانی میں مستعمل ہے۔ عربی زبان میں ''عزۃ'' (ھاء منقوطہ کے ساتھ) دراصل غلبہ اور قوت کے مفہوم میں ہے۔ یہ ایسی حالت کو کہتے ہیں جب انسان غالب ہو اور یہ ذلت کے بالمقابل ہے۔ ابن سیدہ کی کتاب ''المحکم والمحیط الاعظم فی اللغۃ'' میں ''عزۃ'' کے معنی رفعت اور غلبہ کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ''العزیز'' ہے جو غالب ہے یعنی غلبہ واقتدار صرف اس کے قانون کو حاصل ہے۔ ''العزیز'' بادشاہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے قرآن حکیم میں (امرأت العزیز) (یوسف: 30) ''عزیز (بادشاہ) کی بیوی'' کے الفاظ آئے ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی ''تدبر قرآن'' میں اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ''لفظ بادشاہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اور اونچے درجے کے بااختیار و بااقتدار افسروں اور عہدہ داروں کے لیے بھی، چونکہ یہ شخص شاہی باڈی گارڈ کا افسر اعلیٰ تھا، اس وجہ سے عورتوں نے اس کے لیے عزیز کا لفظ استعمال کیا۔'' ع ز ز مادہ ہی سے عزّٰی مشتق ہے جو قریش اور بنی کنانہ یا قبیلہ غطفان کے بت کا نام بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى﴾ (النجم: 19) ''بھلا تم دیکھو لات اور عزّٰی کو''۔ ابولہب کا نام بھی عبدالعزی تھا۔ قرآن شریف کے لیے ﴿انه لکتاب عزیز﴾ ''بے شک یہ ایک بلند پایا کتاب ہے۔'' کی ترکیب وارد ہوئی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی ''کتاب عزیز'' کے دو پہلو ذکر کرتے ہیں، ایک تہدید و وعید کا، اور دوسرا قرآن شریف کی طہارت و پاکیزگی کا۔ تہدید و وعید کے حوالے سے یہ ہے کہ جو لوگ اس کا انکار کریں گے، یہ کتاب ان کا فیصلہ کر کے رہے گی اور طہارت و پاکیزگی کے حوالے سے یہ ہے کہ یہ شیاطین جن وانس خواہ کتنا ہی زور لگائیں وہ اس میں کوئی گڑ بڑ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ باطل نہ اس کے آگے سے گھس سکتا ہے، نہ اس کے پیچھے سے۔ اللہ تعالیٰ نے شیاطین کی دراندازی سے اس کو ہر جانب سے بالکل محفوظ بنایا ہے۔

مولانا مودودیؒ ''تفہیم القرآن'' میں ﴿اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ﴾ (النساء: 139) ''کیا وہ ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں۔'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''عزت کا مفہوم عربی زبان میں اُردو کی بہ نسبت زیادہ وسیع ہے، اُردو میں عزت محض احترام اور قدر ومنزلت کے معنی میں آتا ہے، مگر عربی میں عزت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی بلند اور محفوظ حیثیت حاصل ہو جائے کہ کوئی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے، دوسرے الفاظ میں لفظ عزت ناقابل ہتک حرمت کا نام ہے۔''

یہاں ہم لفظ عزت کو اُردو کے اعتبار سے پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ تمام انسانوں سے معزز ترین ہیں جبکہ آپؐ کے مخالفین جو اپنے آپ کو معزز سمجھ بیٹھے تھے، نہایت ذلیل لوگ تھے، جیسے ابوجہل اور عبداللہ بن ابی نے خود اپنی زبان سے اپنے آپ کو معزز کہا، لیکن دونوں دنیا میں ہی رسوا ہوئے۔ عمرو بن ہشام بن مغیرہ مخزومی جس کی کنیت ابوالحکم تھی، اور جسے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی دشمنی کی وجہ سے ابوجہل کہا جاتا تھا، وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ معزز سمجھتا تھا۔ ابن جریر الطبری نے ''جامع البیان'' میں لکھا ہے کہ اس نے ایک موقع پر نبی اکرم ﷺ سے کہا: (واللہ لأنا اعزّ من مشی بین جبلیھا) ''اللہ کی قسم ان دو پہاڑوں میں مجھ سے زیادہ عزت اور شرف والا کوئی نہیں۔'' اس نے ہی ایک دفعہ بددعا کی، جس کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ یہ بددعا اس نے غزوۂ بدر میں عین لڑائی کے وقت مانگی، اس کی بددعا کا ذکر سورۃ الانفال میں ہے: ﴿وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾ (آیت: 32) ''اور (یاد کرو) جب انہوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش برسا، ہمیں کسی دردناک عذاب میں مبتلا کر دے۔'' البیہقی کی ''دلائل النبوۃ'' کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کو تلوار کا عذاب دے کر آپ ﷺ کے مقابلے میں ذلیل ترین بنا دیا۔ غزوۂ بدر میں اس ''معزز ترین'' ہونے کے دعوے دار سردار کو دو نوعمر لڑکوں معاذ بن عمرو بن جموح اور معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہما نے قتل کر دیا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جنگ کے دوران ابوجہل کے پاس سے گزرے تو وہ سسک رہا تھا، تو اُنہوں نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔

غزوۂ مریسیع یا غزوۂ بنی مصطلق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام جھجاہ بن مسعود اور سِنان بن وبرا الجہنی کے درمیان پانی کے معاملے میں کسی قدر تکرار ہو گئی۔ جھجاہ بن مسعود نے مدد کے لیے مہاجرین کو پکارا اور سِنان بن وبرا الجہنی نے انصار کو مدد کے لیے پکارا۔ قریب تھا کہ مہاجرین اور انصار میں جھگڑا ہو جاتا۔ عبداللہ بن اُبی بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے کہا ہم مدینہ لوٹ کر ان ذلیل (نعوذ باللہ من ذلک) لوگوں کو باہر کریں گے۔ اس کا یہ قول قرآن حکیم میں نقل ہوا: ﴿يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ط﴾ (المنافقون: 8) ''وہ کہتے ہیں اگر ہم مدینہ واپس گئے تو عزت والے ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے۔'' یہاں پر مترجمین نے ''الاعز'' کا ترجمہ ''طاقتور بھی اور ''الاذل'' کا ترجمہ ''کمزور'' بھی کیا ہے۔

عبداللہ بن ابی نے مہاجرین کے بارے میں یہ بھی کہا: ''سمن کلبک یا کلک'' عبداللہ بن ابی کی یہ باتیں زید بن ارقم کے ذریعے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئیں، لیکن ان کے کم سن ہونے کی وجہ ان کی بات پر زیادہ توجہ نہ دی گئی، لیکن بعد میں وحی کے ذریعے زید بن ارقم کی تائید ہو گئی جس کا ذکر سورۃ المنافقون میں ہے۔ عبداللہ بن ابی کے بیٹے جن کا پہلے نام الحباب تھا، لیکن آپؐ نے اُن کا نام عبداللہ رکھا، آپؐ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ آپؐ ہی صاحب عزت ہیں اور میرا باپ ذلیل ہے، اور وہ مدینہ منورہ کے ایک تنگ راستے میں اپنے باپ کو روکنے کے لیے کھڑے ہو گئے، اور باپ آیا تو اُس سے

کہا، اللہ کی قسم، تم شہر میں داخل نہیں ہو سکو گے۔ جب تک نبی کریم ﷺ تم کو داخل ہونے کی اجازت نہ دیں، نیز آپؓ نے نبی اکرم ﷺ سے یہ بھی فرمایا کہ آپؐ کے کہنے پر میں اپنے باپ کا سر لانے کے لیے تیار ہوں، حالانکہ قبیلہ خزرج والے جانتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ اپنے والد کا اطاعت گزار کوئی نہیں۔

ان دونوں واقعات میں آپ نے دیکھا کہ حقیقی عزت اللہ کے رسول ﷺ کے لیے ہے جو بقول مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی انہیں بر بنائے رسالت ملی، اور جو لوگ ان کے خلاف قدم اُٹھاتے رہے، ذلت ان کا مقدر بن گئی۔

ہم بھی اگر حقیقی عزت کے خواہاں ہیں تو اللہ کے رسول ﷺ سے مضبوط تعلق استوار کریں۔ یہی ایک عزت کا راستہ ہے، باقی عزت کے سب راستے غیر حقیقی اور مصنوعی ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے: ﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ ''عزت تو اللہ کی ہے اور اس کے رسولؐ کی اور مومنوں کی لیکن منافق نہیں جانتے۔'' (المنافقون:8)

☆☆☆

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی کے نائب ناظم اعلیٰ جنوبی پاکستان اور انجمن خدام القرآن سندھ کے صدر محترم اظہر ریاض وفات پا گئے۔

برائے تعزیت (داماد): 0323-2008757

☆ حلقہ لاہور غربی، ٹاؤن شپ کے سینئر رفیق محترم محمد احمد وفات پا گئے۔

برائے تعزیت (بیٹا): 0323-9949317

☆ حلقہ ملاکنڈ، تیمر گرہ کے ملتزم رفیق اسرار عالم نثار کے چچا وفات پا گئے۔

برائے تعزیت: 0345-9534707

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ وَاَدْخِلْهُمْ فِيْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْهُمْ حِسَابًا يَّسِيْرًا

محبت رسول ﷺ کا تقاضا

نبی اکرمؐ کے مشن سے وابستگی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''پس جو لوگ ایمان لائے اُن (نبی اکرم ﷺ) پر اور جنہوں نے ان کی رفاقت کی، اور جنہوں نے ان کی مدد اور حمایت کی (یعنی ان کے مشن میں ان کے دست و بازو بنے، اور ان کے مقاصد کی تکمیل میں اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو کھپایا) اور جنہوں نے اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، تو یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔'' (الاعراف: 157)

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ سے محبت کے تقاضوں کا بیان ہے۔ اہل اسلام کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے رسول برحق ہونے پر پختہ یقین رکھیں۔ آپ کی توقیر اور تعظیم کریں۔ آپ کے مشن غلبہ دین کے لیے جدوجہد کریں۔ آپ کے پاکیزہ اور روشن اسوہ پر کاربند ہوں۔ معرکہ حق و باطل ازل سے جاری ہے' اس معرکہ میں جان و مال اور صلاحیتوں کی قربانی دیں اور خونِ جگر سے شجر اسلام کی آبیاری کریں۔

جو لوگ نبی اکرم ﷺ کی دعوت قبول کریں اور آپؐ پر ایمان لائیں' اللہ تعالیٰ عالمِ اسباب میں ان کو جانچتا ہے، ان کا امتحان لیتا ہے۔ کیونکہ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کون لوگ حقیقتاً ایمان رکھتے ہیں اور کون جھوٹ موٹ کے مومن بنے پھرتے ہیں۔ اس دنیا میں فیصلہ انہی آزمائشوں سے ہوتا ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے کو اٹھایا یا نہیں؟ رسول ﷺ کے مشن کو اپنی زندگی کا مشن بنایا یا نہیں؟ محمد رسول اللہ ﷺ کے منصبِ رسالت کی تکمیل میں اپنا جان و مال کھپایا یا نہیں؟ دعوت الی اللہ کے مراحل میں صبر و استقامت دکھائی یا نہیں؟ اگر کسی نے یہ سب کچھ کیا ہے تو وہ اپنی محبت میں سچا ہے اور یہ نہیں تو پھر اُس کے دعویٰ ایمان میں صداقت نہیں، پھر تو رسول اللہ ﷺ پر ایمان کا دعویٰ ناقابل قبول ٹھہرے گا، رسول ﷺ سے محبت کا دعویٰ بھی مسترد کر دیا جائے گا اور رسول ﷺ کی اطاعت کا دعویٰ بھی غیر معتبر اور محض دکھاوا قرار پائے گا۔

اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے ذرا چشم تصور میں غزوۂ احد کا نقشہ لائیے۔ اللہ کے محبوب ﷺ اپنے جاں نثار صحابہ کرامؓ کے ساتھ مشرکین کے سامنے سینہ سپر ہیں، آپ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ اس معرکۂ کارزار میں جان کی بازی لگا رہے ہیں۔ رحمۃ للعالمین زخمی ہو گئے ہیں۔ خود کی کڑیاں سر مبارک میں گھس گئیں ہیں، رخسارِ مبارک بھی مجروح ہو گیا ہے، دندانِ مبارک بھی شہید ہو چکے ہیں اور آپ ﷺ کا مقدس خون راہِ حق میں بہہ رہا ہے...... فرض کیجیے عین اسی وقت کوئی مدعی عشقِ رسول ﷺ کہیں اپنے گھر میں بیٹھا درود کی تسبیح پڑھ رہا ہو، حضور ﷺ پر سلام پڑھ رہا ہو، حضور ﷺ کی شان میں نعتیں پڑھ رہا ہو یا خود اپنی ذاتی عبادات میں مگن ہو تو یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہوگی کہ ایک طرف محمد ﷺ تو کارزارِ احد میں اللہ کے جھنڈے کو سربلند کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہوں اور یہ عاشقِ رسول ﷺ کہیں کسی گوشہ میں بیٹھا درود و سلام پڑھ رہا ہو۔

حضور ﷺ کا مشن جیسے کل زندہ تھا' اب بھی زندہ و تابندہ ہے اور تاقیامت زندہ رہے گا۔ حضور ﷺ کی رسالت تاقیامِ قیامت ہے اور حضور ﷺ کے بعد یہ فریضۂ رسالت امت مسلمہ کو بحیثیت اُمت ادا کرنا ہے۔ بنی نوعِ انسانی آج بھی ہدایت ربانی کی محتاج ہے۔ دنیا آج بھی طاغوتی شکنجے میں گرفتار ہے۔ آج بھی ہر اس شخص پر جو خود کو مسلمان سمجھتا ہے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان تک پیغامِ حق پہنچائے۔ چنانچہ جب تک یہ کام اپنے انجام تک نہیں پہنچے، نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ رسالت و بعثت ابھی شرمندۂ تکمیل ہے اور اس کی تکمیل کی ذمہ داری امتِ مسلمہ پر ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

پس اب اس عاشقِ رسول ﷺ کو خوب اچھی طرح اپنے دل میں جھانک کر اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ...... جسے حضور ﷺ کے مقصدِ بعثت اور آپ کے مشن سے سرے سے کوئی دلچسپی نہ ہو اسے خود فیصلہ کرنا چاہئے کہ اس کے محبت کے دعوؤں میں کتنی صداقت ہے۔ آج عملاً یہ صورتحال ہے کہ ؎

تیرے حسنِ خُلق کی ایک رمق میری زندگی میں نہ مل سکی
میں اسی میں خوش ہوں کہ شہر کے در و بام کو تو سجا دیا

لہٰذا ہم میں سے ہر شخص کو کوشش کرنی چاہئے کہ جتنا ہو سکے اللہ کے رسول ﷺ کے مشن اور ان کے مقصد کی خاطر اپنا تن من دھن لگانے کی کوشش کرے اور دوسروں تک بھی اس پیغام کو پہنچائے۔

(مفہوم و ماخوذ: ''توحید عملی'' از ڈاکٹر اسرار احمد)

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حکیم محمد سعید (مرحوم)

اگر ہم تاریخ اقوام وملل پر ایک نگاہ عمیق ڈالیں اور توجہ اور گہرائی کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں ایک بات بہت واضح طور پر ملے گی۔ وہ یہ ہے کہ جن اقوام وملل نے ماضی سے اپنے حال کو منسلک رکھا ہے ان کا مستقبل تابناک رہا ہے اور جن اقوام نے اور جن ملتوں نے اپنے ماضی کو فراموش کر دیا وہ نہ حال کو درست رکھ سکیں اور نہ اپنے مستقبل کو روشن بنا سکیں۔ تاریخ کا مطالعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ انسان کے حال و مستقبل کی تاریکی کو دور کرنے کے لیے ماضی کی روشنی سے فیض حاصل کرنا ضروری ہے۔

قرآن پاک سورۃ الفاتحہ سے شروع ہوتا ہے۔ یہی سورت قرآن پاک کا خلاصہ ہے اور قرآن کے سربستہ راز کی کنجی ہے۔ اس سورت میں بندہ اپنے رب سے ہدایت کی دعا کرتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ''الم'' سے ''والناس'' تک تمام قرآن پاک اسی دعا کا جواب ہے۔ سورۂ فاتحہ میں ہم دعا کرتے ہیں:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝﴾ (آیت: 5)

''(اے رب العالمین) ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔''

اپنی ذات سے محبت عطا فرما اور مشاہدے سے مشرف رکھ۔ اقوال اور احوال ہر ایک میں اسی سیدھی راہ پر قائم رکھ‘ کہ ہم نعمت پا کر پھر تیرے غضب کا نشانہ نہ بنیں۔

ابتدائے زندگی سے انتہائے حیات تک کا جو راستہ ہے وہ پُر پیچ اور پُر خار و پُر خطر ہے۔ اس راہ پر جو لوگ بزعم خود چلے ہیں اور نورِ ہدایت اور مشعلِ یقین کے بغیر چلے ہیں وہ اس راہ میں بھٹک گئے‘ مگر وہ لوگ کہ جن کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور جو سراج منیر اور مشعل نور سے مستفید ہو کر زندگی کی راہوں سے گزرے‘ ان کی کامیابی شبہ وشک سے بالاتر رہی ہے۔ ایسے اشخاص اور ایسی اقوام کو تاریخ نے نشانِ عظمت کے عنوان سے پیش کیا ہے۔

میں بربنائے عقیدہ نہیں بلکہ عقلی استدلال اور دنیا کی عملی تاریخ کی روشنی میں آپ کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ بنی نوع انسان کی حقیقی بھلائی‘ اعمال کی نیکی‘ اخلاق کی بہتری‘ دلوں کی صفائی اور انسانی قوا میں اعتدال اور میانہ روی پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں اگر کسی طبقۂ انسانی نے انجام دی ہیں تو وہ صرف انبیائے کرام علیہم السلام کا طبقہ ہے جو اللہ کی طرف سے بھیجے گئے اور دنیا میں آئے اور دنیا کو نیک تعلیم اور ہدایت دے کر اپنے بعد آنے والے لوگوں کے لئے چلنے کا سیدھا راستہ بنا کر چھوڑ گئے۔ ان کی تعلیم وعمل کے سرچشمے سے بادشاہ ورعایا‘ امیر وغریب اور جاہل وعالم سب مسلسل اور برابر فیض پا رہے ہیں۔ یہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں اور یہی وہ مقدس گروہ ہے کہ جو اللہ کی بسائی ہوئی تمام آبادیوں میں پھیلا اور مختلف زمانوں میں اپنی تعلیم وہدایت کے چراغ روشن کرتا رہا۔ آج انسان کے سرمایۂ حیات میں فلاح وشرافت‘ سعادت‘ اخلاقِ عالیہ‘ اعمال نیک وصالح اور بہترین زندگیوں کے جو اثرات ونتائج ہیں وہ سب ان ہی بزرگوں کے فیوض وبرکات ہیں۔

نوحؑ کا جوشِ تبلیغ‘ ابراہیمؑ کا ولولۂ توحید‘ اسحاقؑ کی وراثتِ پدری‘ اسماعیلؑ کا ایثار‘ موسیٰؑ کی سعی وکوشش‘ ہارونؑ کی رفاقتِ حق‘ یعقوبؑ کی تسلیم ورضا‘ داؤدؑ کا غربتِ حق پر ماتم‘ سلیمانؑ کا سرودِ حکمت‘ ذکریاؑ کی عبادت‘ یحییٰؑ کی عفت‘ عیسیٰؑ کا زہد‘ یونسؑ کا اعترافِ قصور‘ لوطؑ کی جاں فشانی اور ایوبؑ کا صبر‘ ان سب کے حقیقی نقش ونگار سے ہماری علمی‘ اخلاقی اور روحانی دنیا کے ایوان آراستہ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے انسان کے پُر پیچ وپُر خطر زندگی کے راستے میں ایک مینارِ نورِ ہدایت قائم کر دیا ہے۔

اس کے باوجود انسان وانسانیت کو ایک ایسے رہبر اور رہنما کی ضرورت تھی کہ جو کلی حیثیت سے اسے بدل دے اور اس سرے سے اُس سرے تک کی پوری راہ کو ہدایت اور عملی مثالوں سے روشن کر دے۔ نقطۂ فکر ونظر بدلنے کے لیے‘ عادات واطوار بدلنے کے لئے‘ رسوم ورواج بدلنے کے لیے‘ حقوق وفرائض کی تقسیم بدلنے کے لئے خیر وشر کے معیارات اور حرام وحلال کے پیمانے بدلنے کے لئے‘ اخلاقی قدریں بدلنے کے لئے‘ تہذیب وتمدن کے ہر ہر شعبے میں تبدیلی لانے کے لئے‘ انسان میں ایک انقلاب لانے کے لیے اور سچ یہ ہے کہ مکمل صراطِ مستقیم دکھانے کے لئے ایک ہادیٔ برحق اور ایک رہنمائے عظیم کی حاجت تھی۔ یہ ہادیٔ برحق اور یہ رہنمائے کل ختم الرسل حضرت محمد مصطفیٰ‘ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں۔ جب ہم یہ دعا مانگتے ہیں کہ ''اھدنا الصراط المستقیم'' تو اس کا مطلب واضح طور پر یہ ہوتا ہے کہ ہمیں اس راہ پر چلا کہ جو نبی کریم ﷺ کے ذریعے سے تو نے ہمارے لئے مقرر فرمائی ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت ہمارے لئے دائمی نمونۂ عمل ہے‘ اسوۂ حسنہ ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے ہدایت ورہنمائی اور عملی مثال نہ چھوڑی ہو۔ لاریب! تاریخ عالم اس پر گواہ ہے کہ اس نورِ ہدایت سے سارا جہان منور ہوا ہے۔ اس روشنی نے اقوام عالم کو منور کیا ہے۔ دساتیر عالم اس روشنی میں مرتب ہوئے ہیں۔ اقوام عالم نے اس نور سے اکتساب کیا ہے۔ مگر کس قدر حیرت ہے کہ ہم جو اس نور سے براہِ راست تعلق رکھتے ہیں‘ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اپنی نادانی اور غفلت سے آج دوسروں کی جانب دیکھ رہے ہیں اور ان سے رہنمائی کے طالب ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ جو خود رہنمائی کا محتاج ہو وہ کیا رہنمائی کرے گا؟

''ہر آں کہ خود گم است کرا رہبری کند''

بظاہر ہم اللہ کے ماننے والے بھی ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے امتی بھی‘ قرآن خواں بھی ہیں اور حدیث رسول ﷺ کے امین بھی۔ لیکن اصلیت کیا ہے؟ حقیقت ہمارے دلوں میں کس حد تک جاگزیں ہے؟ ہمارے دلوں اور ہماری زبانوں میں کس حد تک مفاہمت ومطابقت ہے؟ ہماری زندگی میں تعلیمات رسول ﷺ کا کتنا دخل ہے؟ ان سوالوں کی روشنی میں اگر ہم خود اپنے اوپر ایک تنقیدی نگاہ ڈالیں تو ہم خود سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے فکر وعمل میں سیرت رسول ﷺ کا پرتو کس حد تک پڑا ہے۔ ہم کاروبار کرتے وقت کیا یہ سوچتے ہیں کہ سود وزیاں اور نفع ونقصان کے علاوہ ایک چیز دیانت وامانت بھی ہے؟ ہم سیاست کے میدان میں کیا یہ غور کرتے کہ ہمارے رسول ﷺ نے اس شعبے میں بھی ہماری رہنمائی کی ہے؟ ہم تعلیم حاصل کرتے وقت اور تعلیم دیتے وقت کیا تعلیم رسول ﷺ کو نمونہ بنانا چاہتے ہیں؟ ہماری تعلیم کا حال تو یہ ہے کہ ہم کئی سال گزر جانے کے باوجود آج تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے ہیں کہ ہمیں آنے والے کل کے لئے کس قسم کے مسلمان تیار کرنے ہیں۔ ہماری تعلیم بے مقصدی کا شکار اور اللہ و رسول ﷺ کے تعلق اور رہنمائی سے خالی ہے اور ایک ایسا نمونہ تعلیم ہے کہ جو ہمارے لیے کوئی منزل متعین نہیں کرتا۔ شادی بیاہ کے وقت کیا ہمیں سرکار دو عالم ﷺ کی مثال یاد رہتی ہے؟ مزدور کی مزدوری طے کرتے اور دیتے وقت کیا احکام نبی ﷺ ہمارے پیش نظر رہتے ہیں؟ اپنا فرض انجام دیتے وقت کیا ہمارے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے؟ معاملات کا فیصلہ

The Holy Prophet (PBUH) is a role model for everyone

The life of the Holy Prophet (PBUH) is a role model for every person of this world who believes in Allah and the Day of Judgment. This source of light and guidance (the Prophet PBUH) can lead us completely. The world has seen a lot of scholars, philosophers and preachers but none was as great as the Prophet Mohammad (PBUH). Allah sent His messengers in every period of history to guide the humanity. The world had been waiting for the last Prophet for centuries. This long wait was ended with the prophethood of the Prophet (PBUH). He was sent as the last Prophet of Allah Almighty. His Shariah was regarded as the last message of Allah and the previous Shariahs were abolished. His guidance was declared sufficient for all till the end of this world. The Prophet (PBUH) said, "If Hazrat Musa had been alive he had no option but to follow me."

Hazrat Mohammad (PBUH) was born and died in the month of Rabi-ul-Awal. He is an embodiment of mercy for all mankind. All the prophets guided the humans. But Mohammad (PBUH) brought a revolution in the lives of the people. This revolution is example-less in the history of mankind. Our love for the Prophet (PBUH) involves not only the devotion and passion for him but to follow his deeds also. There is no option left for us but to follow his teachings. The Quran and Sunnah are the basis of our religion. The holy life style of the Prophet (PBUH) guides us in our individual and collective life. He stressed that Muslims should have good behavior with others. They should have good character also. It shows the importance of behavior and character in his teachings. Hazrat Abu Huraira reported that on the occasion of Haja-tul-Wida he said, "I am leaving two things among you. You will never deviate from the right path. These are the Holy Quran and my Sunnah. These two things will not be separated. Until they will come to their destination namely, the Hoz-e-Kausar." If we'll follow the Quran and Sunnah, we cannot be deviated from the right path. These two things are the main source of our religion. These two things will keep on guiding us up to the last day of this world. We'll keep on consulting the Quran for a solution to every problem. Allah has ordered that we have to obey the Prophet (PBUH). It is said in the Holy Quran that the people who believe in Allah they should obey the Prophet (PBUH) as well. They should not waste their virtues. It means that the obedience of the Prophet (PBUH) is the obedience of Allah. It is clear that the teachings of the Holy Prophet (PBUH) and the Holy Quran are the basis of Islam. These two things complete the religion.

Mohammad (PBUH) is the last Prophet of Allah. His prophethood is sufficient for all humanity up to the end of this world. No one will be blessed with prophethood and no previous prophet will be followed. A person who accepts Mohammad (PBUH) a prophet but not the last one, it is nothing but a refusal. The prophethood of the Holy Prophet has two parts. Firstly, he is a prophet and secondly he is the last prophet of Allah Almighty. The Quran has made it clear that the prophethood was started with Hazrat Adam and was ended with the Holy Prophet (PBUH). No prophet will come after Mohammad (PBUH). It shows that his prophethood is universal. He is not the prophet of his age but he is the prophet of every age. He should be obeyed in every age. Truth is forever. The modern systems of making people slaves is useless. Islam guides people in every field of life. It is a complete code of life. That's why the non-believers are attacking the faith of Khatam-e-Nabuwat and Namoos-e-Rasalat. They are using different tactics to degrade our faith. But the faithful Muslims have great love for Mohammad (PBUH) in spite of all weaknesses. In order to prevent these conspiracies, we should make laws and struggle on all levels. If we want to get relief we should follow him. Anyone who wants to please Allah he should follow the teachings of the Holy Prophet (PBUH).

کرتے وقت کیا ہم عدلِ محمدی ﷺ کو نمونہ بناتے ہیں؟

اگر یہ حقائق ہیں اور ان کے حقائق ہونے کی گواہی ہمارے دل سے زیادہ اور کون دے سکتا ہے' تو ہم اپنے معاشرے کو اسلامی معاشرہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ مسلمانوں کا معاشرہ اتنا پُرامن' اتنا پاکیزہ' اتنا متوازن ہونا چاہیے کہ دوسری قومیں اور جماعتیں رشک کریں' دوسرے اس کی نقل کرنا چاہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ رسول ہاشمی ﷺ کے نام لیوا دوسروں کے معاشروں کی طرف دیکھیں' ان کی مثالیں دیں' ان کو اپنانا چاہیں اور ان سے رہنمائی کے طالب ہوں! روشنی اندھیرے کی طرف دیکھے' نور ظلمت سے دبے' حسن بدصورتی سے خائف ہو' خوش نمائی بدنمائی کا سہارا ڈھونڈے!

ذرا غور کیجیے! ہم کہاں ہیں؟ کیا سوچ رہے ہیں؟ کیا ہمارے دماغ مقفل ہو چکے ہیں؟ کیا ہماری عقلیں خبط ہو چکی ہیں؟ ہمارے عقیدے اور عمل کا تضاد تو یہی بتاتا ہے۔ ہمارے پاس تو زندگی کے ہر ہر شعبے میں رہنمائی موجود ہے۔ ہم تو اللہ کے آخری پیغام کے امین ہیں۔ ہم تو دوسروں کو نیکی اور بھلائی کی راہ دکھانے والے اور برائیوں سے روکنے والے بنا کر بھیجے گئے تھے۔ قرآن مجید وفرقان حمید نے ہمارے ہی لیے کہا گیا ہے:

ترجمہ: ''دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں (کی ہدایت واصلاح) کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو۔'' (آلِ عمران: 110)

نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور آپؐ کے ارشادات' حکمت ودانائی اور خیر ودانش کا خزانہ ہیں۔ وہ خزانہ ہمارے پاس ہے' لیکن ہم خود ہی اس خزانے کے سانپ بن گئے ہیں۔ رسول مقبول ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ آپؐ کا کوئی عمل دوست تو دوست' دشمن سے بھی پوشیدہ نہیں رکھا گیا' لیکن ہم اپنے ہر عمل کو پوشیدہ رکھنے ہی میں خوبی دیکھتے ہیں۔ عمل تو عمل' اپنی دولت کو بھی چھپاتے ہیں۔ اسے گردش میں نہ لا کر لاتعداد انسانوں کو فاقہ کشی میں مبتلا کرتے ہیں اور ذرا نہیں شرماتے۔ آج ہم حرام کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں نہ اللہ تعالیٰ کے انعام پر راضی ہیں' نہ پڑوسی ہمارے حسن سلوک کے مستحق رہے ہیں' نہ ہم دوسروں کے لئے وہی پسند کرتے ہیں جو ہمیں اپنے لئے پسند ہوتا ہے۔

اگر ہم نے اس دانائے سبل اور معلم حکمت ﷺ کے نسخہ شفا کو طاقِ نسیاں کے حوالے نہ کر دیا ہوتا تو آج ہم پریشان نہ ہوتے' حیران نہ ہوتے' حقیر نہ ہوتے۔ ہم دوسروں کو راستہ دکھا رہے ہوتے' دوسرے ہماری قیادت کے طالب ہوتے۔ ہم امن وسکون کی تلاش کے بجائے دنیا کو پُرامن بنانے کے اہل ہوتے۔ ہماری زندگی دوسروں کے لیے نمونہ ہوتی' قابلِ رشک ہوتی اور دنیا جنت کا نمونہ ہوتی۔ برناڈ شا نے سچ کہا تھا کہ اگر محمد ﷺ اس وقت دنیا میں موجود ہوتے تو دنیا میں امن ہوتا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر محمد عربی ﷺ کے سچے پیرو بھی اس وقت دنیا میں ہوتے تو دنیا امن وراحت' مساوات واخوت کا گہوارہ ہوتی۔

ہماری بے راہ روی کا ایک طرف یہ نقشہ ہے کہ ہم میں سے تقویٰ گویا بالکل اٹھ گیا ہے۔ دوسری طرف حال یہ ہے کہ یورپ اور امریکا اور تمام مسیحی' یہودی اور سوشلسٹ طاقتوں نے ایک خاص اور متفقہ حکمت عملی وضع کی ہے اور اس کا نام مسئلہ مشرق رکھا ہے۔ مسائل مشرق سے دلچسپی کی حقیقی غایت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسلام کے قوائے سیاسیہ کو ختم کر دیا جائے۔ اور یہ الفاظ واضح یہ کہ دنیا کے جو علاقے کسی قدر اسلام کے زیر اثر باقی بچ گئے ہیں' ان میں پاکستان بھی شامل ہے بلکہ سرفہرست ہے' ان کو بے اثر بنا دیا جائے۔ یہ ایک ایسی حقیقت اظہر من الشمس فی نصف النہار ہے کہ جس شخص نے گزشتہ کئی برسوں کے واقعات سے آنکھیں بند نہیں کر لیں ہیں وہ بغیر کسی بصیرت مزید کے اسے دیکھ سکتا ہے۔

اگر یہ سچ ہے کہ ایک خنجر اسلام کے قلب میں پیوست کر دینے کے لیے تیز کیا جا رہا ہے تو کیا مضائقہ ہے اگر ہم کسی ڈھال کی تیاری میں مصروف ہو جائیں! اگر اللہ پرستی اور رسول دوستی سے مسیح پرستی کی دشمنی قدیم اور پرانی ہے' بلکہ ازلی ہے' تو پیروانِ توحید کا حملہ' مشرکین سے دفاع کیوں ضروری نہیں ہے؟ اگر سیکولرازم کی گولی دماغ مسلم کو پاش پاش کر دینے کے لیے تیار کی جا رہی ہے تو آخر کیا مضائقہ ہے' اگر ہم ان طاقتوں کو مفلوج کر دیں جو ہماری صحت فکری پر حملہ آور ہیں؟ اللہ اور رسول ﷺ سے صرف نظر کر کے اور کتاب و سنت سے منہ موڑ کر دنیائے اسلام اور ہم خود آج جس مقام پر آ کر کھڑے ہوئے ہیں اس سے آگے ایک ایسی کھائی ہے کہ جس میں چلے جانے کے بعد ہمارا وجود برقرار نہیں رہ سکتا۔ اگر ہم اس صورت حال کو صحت ودیانت کے ساتھ سمجھ لیں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں آپؐ کی تعلیمات کو اپنا لیں تو اس سے ہمارے درد کا مداوا ہو سکتا ہے۔ اگر سیرت کی یہ تقاریب ہمارے قلوب میں جذبہ سربلندیٔ اسلام پیدا کر دیں اور ہمارے دماغ یہ سوچنے لگیں کہ اے اقوام یورپ! اور اے دزدانِ قاتلانِ انسانیت! یہ ظلم تابکے! اگر ہم اس پست زندگی اور زبوں حالی سے نکلنا چاہتے ہیں تو اللہ کے قانون اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستوں اور ہدایات پر ہمیں بہرصورت چلنا اور عمل کرنا ہو گا۔ ورنہ ہم اور ہماری یہ نمائشی سرگرمیاں ہمیں قعر مذلت سے ہرگز نہیں نکال سکتیں۔

Muslims are in a great number in this world. But they are disunited. The Muslim community is in a miserable condition in Kashmir, Palestine, Syria, Afghanistan, Yemen, Iraq and Myanmar. The Muslim world and its leadership has become irresponsible and self-centered. On the contrary, the non-believers are united and attacking the Muslim Ummah severely. Pakistan is the center of the expectations of the Muslim world. It has abundance of every kind of resources. But corruption, poverty and lawlessness is prevailing everywhere. The country which was established on the basis of Kalma Tayyaba should be an ideal Islamic state. The sacrifices which were laid at the time of Partition have been forgotten. When the Holy Prophet (PBUH) started his mission of improving the mankind, people became his bitter enemies. They tortured him and his companions severely. He (PBUH) bore all hardships manfully and continued his struggle. At last, he (PBUH) became successful. The Muslims dominated the evil forces and conquered the whole Arab. Now anti-Islamic forces have become powerful again. We have to follow the Quran and Sunnah in order to defeat these negative forces. The Holy Quran is the foundation of Islam and Sunnah has given a shape to this building. In short, it is most important for the Muslim Ummah to follow the Quran and Sunnah.

<u>Source</u>: ***An article by Naib Ameer of Jamaat-e-Islami, Liaqat Baloch; published in daily The News***

Vol. 29 Regd. C.P.L NO. 114 No.35